باسمہ سبحانہ

جنات المعارف

باب القرآن

از

زبدۃ العلماء الاعلام فخر الاسلام مولانا سید علی صاحب قبلہ مد ظلہ

ابن

عالم ربانی حجت الاسلام آیۃ اللہ مولانا

سید راحت حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ مجتہد

گوپال پوری

قیمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین
محمد وآلہ الطیبین الطاہرین۔ موجودہ زمانہ۔ زمانہ کفر والحاد ہے۔ جدید تعلیم
نے خدا و مذہب حشر و نشر وغیرہ کے عقائد کو دماغ انسانی سے نکال کر دور پھینک
دیا ہے۔ موجودہ علوم نے علم کا دائرہ اتنا تنگ کر دیا ہے کہ ماوراء طبیعیات
کے وجود سے انسان انکار کرتا جا رہا ہے۔ جدید علوم کی منتہائے پرواز
مادیت کے محور پر گھومنے والے تخیلات و تصورات تک ہے مادیت کی
کوتاہ نگاہیں اس دنیا اور مادے کے آگے اور کچھ نہیں دیکھتیں۔
عقل کے پر تراش دیے گئے ہیں۔ خدا اور مذہب سے جنگ کفر والحاد
کی اشاعت ذریعہ نام و نمود و شہرت ہے۔ خدا و رسول۔ قرآن و احادیث
پر روزانہ اعتراضات کی بوچھار ہے۔ جن کے جوابات عربی اور فارسی
کتابوں میں موجود ہیں بلکہ خود قرآن میں موجود ہیں لیکن ہم ان کی
خبر نہیں رکھتے۔ ہم نے قرآن کو پڑھا ہی نہیں سمجھا ہی نہیں
خبر ہو تو کیونکر ہو ہم نے دنیا میں آتے ہی ان اسکولوں کی فضا میں
آنکھیں کھولیں جہاں قرآن کے خلاف تعلیم دی جاتی ہے جہاں ماورائے
طبیعیات کا کوئی تصور ہی نہیں جہاں کائنات کو صرف مادی اور محسوس
حیثیت سے دیکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے پھر ہم خدا و مذہب سے دور
کیوں نہ ہو جائیں قرآن کہتا ہے۔ الم ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی
للمتقین الذین یؤمنون بالغیب الخ یعنی اس کتاب کے کلام خدا ہونے

(کیا صرف کھانا پینا اور جینا مرنا مقصد وجود کائنات ہے)

کوئی شک ہی نہیں ہے یہ ان متقین کیلئے ہدایت ہے جو غیب پر
ایمان لاتے ہیں - قرآن کی تعلیم ایمان بالغیب سے شروع ہوئی ہے اور
لوگوں کی فضا عالم محسوسات تک محدود ہے غیر تو غیر آج بہت سے
مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان و یقین کی حیثیت ویسی
ہی ہے جیسے پانی کے اندر سوار کی جنہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس رخ کی بھی
چلے ہمارے ایمان کو اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی ہے معمولی سے مغالطے
سے ہر دو یا اعتراضات ہم کو کافر بنا دینے کیلئے کافی ہوتے ہیں کبھی ہم کو
بھی تو توفیق نہیں کہ قرآن کریم کو رسمی ہی طور پر سہی پڑھ لیا کریں
کی صحبت ہمارے نزدیک ایک بے کیف اور دقیق چیز ہے غرض یہ
اسلام کے مصائب ہیں جس پر جس قدر رویا جائے کم ہے -
جمادات سے لیکر حیوانات تک ساری دنیا پر نگاہ ڈالئے ہر چیز غذا کرتی ہے
اپنے وجود کو باقی رکھتی ہے اپنی نسل بڑھاتی ہے لیکن کسی بھی چیز کے وجود کا
مقصد صرف اتنا نہیں ہے کہ پیدا ہو نسل بڑھائے چند روز دنیا میں زندگی گزارے
اور ختم ہو جائے اگر موجودات کا مقصد صرف اتنا ہی فرض کر لیا جائے اور ان کے
امور کے علاوہ کوئی دوسرا کام متعلق نہ ہو تو انکا وجود بیکار ہو جائے - وہ
اس کام کا جو سڑ کر پیڑ پر اچھلتا ہے وہ انگور یا آم بیکار ہے جو پیدا ہو
کر زمین پر سڑا کرے اور کسی کا جزو بدن نہ بنے اسی طرح ساری کائنات
نگاہ ڈالئے ہر چھوٹی و بڑی چیز میں اسکی حکمت و مصلحت نظر آئے گی گھوڑے
کے ذریعہ سواری اور بار برداری کیلئے اونٹ بالخصوص ریگستان کے سفر کیلئے -

بکریاں - گائیں - بھینسیں غذا اور دودھ کیلئے انکا اون اور بال لباس کیلئے تو انسان
جو اشرف مخلوقات ہے تو کیا وہ صرف کھانے پینے اور نسل بڑھانے اور مرجانے
کیلئے پیدا ہوا ہے - اور اسکا وجود بیکار و عبث ہے یہ بات اصول فطرت -
مشاہدہ - عقل سب کے خلاف ہے جس دنیا میں ایک ذرہ بھی بیکار نہیں
پیدا کیا گیا ہو وہاں انسان جو حاصل وجود کائنات ہے جس کیلئے ساری
دنیا پیدا کی گئی بیکار پیدا ہو یہ کوئی کیسے جو ذرہ برابر بھی غور و فکر کا مادہ نہ
رکھتا ہو - اس موقع پر اگر کوئی کہے کہ انسان کھیتی کرتا ہے باغ لگاتا ہے
ایجادات کرتا ہے - تجارت و زراعت اور انتظام ملک کرتا ہے خلق خدا کو
فائدہ پہنچاتا ہے - لہذا اسکا وجود بیکار کہاں ہوا تو عرض کروں گا کہ ان
کے یہ سارے حرکات بالکل ویسے ہی ہیں جیسے حیوانات کا صبح کو اٹھ کر
روزی کی تلاش میں جانا پھرنا - چلنا - شکار کرنا - باہم جنگ کرنا اور شام کو
ہو کر اپنے ٹھکانوں پر واپس آ جانا جس طرح یہ باتیں انکے لوازمات زندگی
تقاضے ہیں انکے مقصد وجود میں داخل نہیں ہیں - اسی طرح انسان کے جملہ
معاشی و انتظامی مشاغل انکی بقائے زندگی و حفظ نوع کیلئے ہیں یہ باتیں
اسکے مقصد وجود میں داخل نہیں ہیں - ایک شہد کی مکھیوں ہی کو لے لیں
کہ وہ کھانے پینے انڈے بچے دینے کے علاوہ اپنی دنیا میں ایک شاندار
بھی رکھتی ہیں یعنی ایک ملکہ ہوتی ہے جو ساری مکھیوں پر حکومت کرتی
ہے اور کل مکھیاں اسکے حکم کی تابع ہوتی ہیں وہ جس مناسب مقام کو پسند کرے

بیٹھ جاتی ہے ساری مکھیاں وہیں پر ملکہ کی تعمیر شروع کر دیتی ہیں۔ پھولوں کا رس کھینچ کھینچ کر
لاتی ہیں اور موم اور شہد تیار کرتی ہیں۔ کچھ مکھیاں انمیں دربانی کی خدمت پر
مقرر ہوتی ہیں جو رس لانے والی ہر مکھی کا منہ سونگھتی ہیں اگر وہ پسندیدہ پھول کا
رس لاتی ہے تو اسے چھتہ تک جانے کی اجازت ملتی ہے اور اگر ناپسندیدہ اور بدبو
چیز لاتی ہے تو اسے وہ دو ٹکڑے کر کے نیچے گرا دیتی ہیں۔ پھر انکی فوجی انتظام اتنا
عمدہ ہوتا ہے کہ کوئی دشمن ان تک بسہولت پہونچ نہیں سکتا۔ سب یکبارگی متحد ہو کر
پر اس پر حملہ کر دیتی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں انکی بقائے زندگی اور بقائے نوع
سے تعلق رکھتی ہیں۔ انکے مقصد زندگی میں انکو کوئی دخل نہیں۔ انکا مقصد زندگی
تو وہ فوائد ہیں جو انسانوں کے لئے خدا نے ان کے تیار کردہ شہد کے اندر
ودیعت فرمائے ہیں۔ وہ فوائد جن سے ان مکھیوں کے وجود کو کوئی فائدہ نہیں
پہونچتا۔ بلکہ ان کے لئے فی الجملہ مضر ہی ہیں کیونکہ اس شہد کے حاصل کرنے میں
بہت سی مکھیاں مر جاتی ہیں۔ ان کے بچے ہلاک اور انکا چھتہ تباہ ہو جاتا ہے ان کی
دولت لٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر یہی باتیں نہوں تو ان مکھیوں کا وجود ان کی
ساری محنتیں رائگاں ہو جائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیزیں ان کے لوازمات
زندگی سے ہیں وہ انکا مقصد وجود نہیں اور جو ان کے وجود کا مقصد ہے وہ
ان کے لوازمات زندگی میں داخل نہیں۔ پس انسان کیلئے کیونکر کہا جا سکتا
ہے کہ اسکے لوازمات زندگی ہی اس کا مقصد زندگی ہیں یقیناً اس کا بھی مقصد
وجود اسکے ضروریات زندگی سے جدا ہوگا۔ رہا یہ امر کہ اسکا مقصد وجود ہے کیا

تو یقیناً کوئی شک نہیں کہ انسان کے علاوہ جتنے موجودات اس دنیا میں ہیں
انکا مقصد وجود انسان ہے یعنی سب چیزیں مختلف جہات سے بلا واسطہ یا بواسطہ
انسان کے فائدے کیلئے پیدا کیگئی ہیں اور انسان بغیر ان چیزوں کے زندگی نہیں رکھ سکتا
انسان دیگر موجودات کی دوا یا غذا یا سواری یا زینت کیلئے نہیں پیدا کیا گیا نہ وہ
موجودات عالم کی زندگی میں انکی اعانت کرتا ہے چنانچہ اگر سارے انسان
دنیا سے ختم ہو جائیں تو موجودات سے کوئی چیز فنا نہوگی۔ آفتاب نکلتا ہی رہیگا
پانی برستا ہی رہیگا۔ درخت و جنگل چرند و پرند پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ لیکن
اگر انسان کے علاوہ دیگر موجودات فنا کر دئے جائیں تو انسان خود بخود فنا
ہو جائیگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودات عالم کے وجود کا مقصد انسان
ہے لیکن انسان کے وجود کا مقصد دنیا نہیں ہے۔ تو پھر کونسا مقصد ہے
جو انسان کے وجود سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ انسان کی زندگی زندگی
کیلئے ہے یعنی وہ صرف جینے کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو یہ بات اصول فطرت اور عقل
کے خلاف ہے۔ کہ فطرت کیونکر اس منزل پر اپنے اصول کو بھول گئی یہ
ہماری انتہائی کوتاہ بینی ہے کہ ہم ایک ایسے واضح اور عام اصول فطرت
سے انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ بقاء زندگی عیش و آرام رفاہیت و خونریزی
طلب وجود کے علاوہ انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ لہذا انسان
کے وجود و زندگی کی بھی کوئی غرض یقیناً ہے اور چونکہ انسان اشرف مخلوقات
ہے اسلئے وہ غرض بھی جو انسان کی ہستی سے متعلق ہے دیگر موجودات کے

چاہیے

اس لئے وجود سے بہت اعلیٰ اور اشرف ہونی اور وہ غرض صرف یہ ہے کہ وہ مخلوقات

پروردگار میں غور وفکر کرکے وجود و کمالات پروردگار کا اعتراف کرے اور اخلاق اور

کمالات خالق سے اپنی ہستی کو آراستہ کرے۔ حیات جاوید حاصل کرے جیسا کہ

ارشاد فرماتا ہے کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف

دنیا میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا تو مجھے یہ بات پسند آئی کہ پہچانا جاؤں پس میں نے

مخلوقات کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں اور ایک دوسری حدیث قدسی میں فرماتا ہے

کہ اے بندے میری اطاعت کر میں تجھکو اپنے ایسا بنا دوں گا الخ لیکن موجودات

عالم میں غور وفکر کرکے انسان صرف خدا کی ہستی اور اسکے کمالات کا اجمالی علم حاصل

کر سکتا ہے۔ لیکن اسکے کمالات اور اسکی خوشنودی کا تفصیلی علم اسکو بلا واسطہ حاصل

نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان اپنی عقل اور قیاس سے جو نظریہ قائم کرتا ہے یا جو قوانین

بھی بناتا ہے وہ کچھ ہی دن کے بعد غلط ثابت ہوتے ہیں لہذا اپنی عقل و قیاس

کے فیصلہ پر کسی وقت بھی قائم کرنا یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ بالکل درست اور

مطابق رضائے پروردگار ہے۔ اسلئے خداوند عالم نے اپنے لطف وکرم سے اپنا یہ اصول

بنا رکھا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی کچھ لوگوں کو چن لیتا ہے اور ان کو روشن دلیلوں اور واضح

براہین کے ساتھ اپنا پیغامبر بنا کر ہماری ہدایت کیلئے بھیجتا ہے اور انکے ذریعہ

وحی والہام سے اپنے احکام نازل فرماتا ہے اور انہیں احکام الٰہی کے مجموعہ

کو الہامی یا آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ سب سے کامل تر اور آخری کتاب جو انسانوں

کی ہدایت کیلئے خداوند عالم نے نازل فرمائی وہ قرآن مجید ہے جو خدا کے آخری

(انسان عبودیت ومحبت ... [illegible])

رسول سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ آپ پر نہیں بلکہ ملک عرب میں نازل ہوئی اور اسی کی بشارت موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ فقال جاء الرب من سینا واشرق لھم من سعیر وتلألأ من جبل فاران (توریت کتاب استثناء باب ۳۳ چھاپہ آکسفورڈ) یعنی خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ظاہر ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ کوہ سینا شام میں ہے جہاں حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی اور سعیر فلسطین میں ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ مبعوث ہوئے اور فاران مکہ میں ہے جہاں سے نور رسالت مآب صلعم ظاہر ہوا۔ قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہونے کی حیثیت سے تمام سابق الہامی کتابوں کی ناسخ ہے۔ علاوہ اسکے کہ رسولیت بحیثیت سند اور دلیل کے بجز قرآن کے کوئی الہامی کتاب قابل اعتبار نہیں ہے۔ نہ اقوام عالم کے پاس کوئی ایسا معیار اور قانون ہے جس سے سچی اور جھوٹی روایات کو جانچا جا سکتا اور وہ اپنی روایتوں کی حفاظت کر سکتے

انسانی علوم کچھ تو وہ ہیں جو تجربہ و مشاہدہ و غور و فکر پر موقوف ہیں جنکو انسان بغیر کسی کی مدد کے خود بھی حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے علم طب، فلسفہ، سائنس وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جو صرف دوسروں سے سننے پر موقوف ہیں جیسے ایام ماضی کے واقعات، تواریخ و قصص وغیرہ۔ انمیں ہمارے تجربہ و مشاہدے غور و فکر کو ایسا دخل نہیں ہے کہ ہم غور و فکر کرکے ماضی کے واقعات کو معلوم کر لیں۔ کیونکہ بجز سماعت کے ماضی کے واقعات تک ہمارے کسی حواس

(قرآن خدا کی آخری کتاب)

([illegible] اور الہامی کتاب کی وراثت)

کی رسائی ممکن نہیں۔ قرائن و قیاس سے الا کچھ باتیں معلوم کی جاتی ہیں جیسے کسی ویران
مقام پر خراب شدہ عمارتوں کے آثار کو دیکھ کر اس کا پتہ لگا لیا جائے کہ یہاں کبھی
انسان آباد تھے اور یہ کہ وہ کس حد تک فن تعمیر سے واقف اور متمدن تھے لیکن
ان کی حیثیت صرف اشارات کی ہوتی ہے ان سے تفصیلی واقعات یا تاریخ نہیں بنائی
جا سکتی اور اگر بنائی جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس کا شمار افسانوں میں
ہوگا۔ پس جبکہ ماضی کے علم کا مدار صرف روایت پر ٹھہرا اور روایت سچی اور جھوٹی
دو قسم کی ہوتی ہے اسلئے جھوٹی روایتوں سے سچی روایتوں کو ممتاز کرنے کیلئے
کچھ اصول و ضوابط کی ضرورت ہے۔ اقوام عالم کے پاس کوئی ایسا ضابطہ اور قانون
نہ زمانہ قبل اسلام میں تھا نہ آج ہے جس سے وہ سچی اور جھوٹی روایات میں فرق
کر سکیں اسلئے ان کے یہاں جھوٹ اور من گھڑت افسانے اور تواریخ کی ایک حیثیت
ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جھوٹ تو جھوٹ ہی ہے سچے واقعات بھی انسانی تصرف و تحریف
سے بچنے نہیں پاتے کوئی بھی واقعہ بغیر اضافہ اور کمی کے دوسروں کے کانوں تک
منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہی بے سر و پا باتیں تاریخ بن جاتی ہیں
جیسا کہ مولانا شبلی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ کسی زمانے
کے حالات جب مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا
ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان
تک نہیں معلوم ہوتا ان افواہوں میں سے وہ واقعات منتخب کر لئے جاتے
ہیں جو قرائن اور قیاس کے مطابق ہوتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک

(ماضی کے علم کا مدار صرف روایت پر ہے)

(اقوام عالم کے پاس سچی اور جھوٹی روایات میں [illegible] کوئی ضابطہ نہیں)

(علم روایت و درایت کی ضرورت [illegible])

دلچسپ تاریخی کتاب بنجاتے ہیں یورپ کی اکثر تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت بلند تھا اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو لوگ سلسلہ روایت میں آئے ہیں کون لوگ تھے کیسے تھے۔ کیا مشاغل رکھتے تھے۔ چال چلن کیسا تھا حافظہ کیسا تھا۔ سمجھ کیسی تھی۔ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔ سطحی الذہن تھے یا دقیق النظر تھے عالم تھے یا جاہل تھے۔ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا بہت مشکل تھا بلکہ ناممکن تھا۔ لیکن سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں ایک ایک شہر میں گئے۔ راویوں سے ملے ان کے متعلق معلومات بہم پہنچائے جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ انکے دیکھنے والوں سے حالات معلوم کئے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ اشخاص کے حالات معلوم ہو سکتے (سیرۃ النبی جلد اص ۳۱) اور الفاروق میں لکھتے ہیں کہ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں ایک روایت دوسرے درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لیکر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کی جائے کہ وہ صحیح الروایت

واقف تھے یا نہیں۔ درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے
اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس قدر
اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں سلسل
سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اس کو
ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ و اہتمام اگرچہ
اصل میں احادیث رسول کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم
نہ رہا۔ طبری۔ فتوح البلدان۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات سند متصل
مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو جس کمال تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں
وہ مسلمانوں سے بہت پیچھے ہے ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے
کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی ناآشنا ہیں
(الفاروق جلد ا ص ۱۳ تا ۱۴)

میں فرض کرتا ہوں کہ فن رجال ہو یا درایت دونوں اگرچہ اصول عقل و فطرت کے
مطابق ہیں ہر شخص متمدن ہو یا غیر متمدن، عالم ہو یا جاہل جب کوئی بھی
خبر سنتا ہے پہلے اسے عقل پر پھر خبر دینے والے کی حالت صدق و کذب، قلت
و کثرت، کردار و اخلاق کی بلندی و پستی پر تولتا ہے۔ ذرائع خبر جتنے قوی ہوتے
ہیں خبر اتنی ہی قوی سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح سے وہ خبر جس کو بہت سے ایسے
آدمی بیان کریں جو آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہ ہوں جن کے بارے میں
شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا ہو کہ انہوں نے باہم بیٹھ کر کسی جھوٹی بات کو مشہور

(متواتر کی تعریف)

کرنے کا مشورہ کر لیا گیا ہے۔ دنیا کی ہر قوم ہر انسان کے نزدیک یقین کے قابل ہے
مثلاً کل انتیس تاریخ تھی لیکن آپ کو یاد نہ تھا۔ آپ نے چاند دیکھنے کی کوشش
کی چاند نکلا بھی اور ڈوب بھی گیا۔ آپ جو گھر سے نکلے تو سارے شہر میں شور
تھا کہ چاند ہو گیا جس سے بھی آپ نے پوچھا اس نے کہا کہ میں نے خود چاند دیکھا
اس کے علاوہ پورب۔ پچھم۔ اتر۔ دکھن جس سمت سے جو ریل۔ موٹر۔ یکہ
گاڑیاں آئیں یا پیادہ مسافر شہر میں وارد ہوا سب نے چاند ہونے کی خبر دی
اور اکثر لوگوں نے چاند دیکھنے کا دعویٰ کیا۔ ایسی خبر عقل کے نزدیک قطعاً یقینی
ہے جس میں دنیا کے کسی صاحب عقل کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خبروں میں
اس سے زیادہ مضبوط کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ اس خبر کو علم درایت میں خبر متواتر
کہتے ہیں۔ یہ امر بھی واضح رہے کہ اگر صرف دو ایک آدمی کسی بڑے شہر میں ہوں
اور وہ آلہ نشر الصوت یا ریڈیو وغیرہ سے اس خبر کو دنیا میں مشتہر کر دیں تو وہ
خبر متواتر نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ خبر متواتر کیلئے یہ شرط ہے کہ انسانوں کی ایک بڑی جماعت
واقعہ کو خود مشاہدہ کرے۔ اس خبر کو اگر کوئی تسلیم نہیں کرتا تو گویا وہ عقل اور فطرت سے
جنگ کرتا ہے اور اس کے لئے زمانہ ماضی کے کل واقعات اور حال کی بہت سی خبروں کے علم
کا دروازہ قطعاً بند ہے۔ دنیا میں کروڑوں انسان ہیں جنہوں نے آج تک امریکہ
اور روس نہیں دیکھا ہے لیکن اس خبر متواتر کی بنا پر اس کا یقین کئے بیٹھے ہیں
لیکن چونکہ اقوام عالم نے فن رجال و درایت کی طرف کبھی کوئی توجہ نہیں کی نہ ان کے یہاں
تحقیق روایات کی فکر کی گئی نہ اس کے لئے کوئی ضابطہ اور قانون مرتب کیا گیا لہذا

انکی مذہبی کتابیں ہوں یا کسی دوسرے علم و فن کی سند کی حیثیت سے اس معیار پر
نہیں پہونچ سکتیں کہ انہیں متواتر کہا جا سکے اور اسکی خبروں کا یا اس امر کا قطعی
یقین کیا جائے کہ وہ کتاب واقعی اسی کی لکھی ہوئی ہے۔ جسکی طرف اسکی تصنیف
کی نسبت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی کتاب کے متعلق کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں
کر سکتا کہ اس کا ہر ہر باب ہر ہر جز و ہر ہر سطر ہر ہر جملہ لکھنے کے وقت بہت سے
آدمی مشاہدہ کرنے والے موجود تھے کیونکہ ہمارے تصنیفات کے [illegible] کا ہمیشہ
یہ طریقہ رہا کہ ایک مصنف مکمل کتاب لکھ کر چند آدمی یا بہت سے آدمیوں کے
سامنے لاتا ہے اور وہاں سے وہ شہرت پاتی ہے لہٰذا قطعی طور پر یہ نہیں کہا
جا سکتا کہ یہ کتاب اسی کی لکھی ہوئی ہے اسلئے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے
کہ ایک شخص کتاب لکھکر دنیا سے گذر جاتا ہے اور وہ کسی دوسرے کے ہاتھ
لگ جاتی ہے جسے وہ اپنے نام سے شائع کر دیتا ہے یا ایک شخص کوئی کتاب
لکھکر یا کسی دوسرے کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ ہاں اگر قرائن سے یا دیگر ذرائع
سے ان باتوں کا گمان حاصل بھی کر لیا جائے جب بھی وہ قوت میں خبر متواتر
کے برابر نہیں ہو سکتا علاوہ اس کے کہ توریت و انجیل و وید وغیرہ کے متعلق
انکے ماننے والوں کا خود اعتراف ہے کہ ان کے اصلی نسخے آج دنیا میں موجود
نہیں ہیں اور جو نسخے ان کے ہاتھ میں موجود ہیں ان کے متعلق بھی یہ طے نہیں
ہے کہ صحیح لکھے ہوئے ہیں اور کب لکھے گئے۔ لیکن خداوند عالم نے اپنی آخری
کتاب قرآن مجید کو انسانی تصرف و تحریف۔ تغیر و تبدل سے بچانے کیلئے ابتدا

(قرآن کے تواتر کا اہتمام)

یہی سبب ہے کہ تواتر کا پورا اہتمام فرمایا اور اتنا ہی نہیں بلکہ فن رجال و درایت کی مستقل بنیاد قائم کر دی۔ فن رجال کی بنیاد تو یوں قائم ہوئی کہ ارشاد ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا (پارہ ۲۶ سورہ حجرات) یعنی اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اسکی تحقیق کرو اسی لیے فن درایت بھی آیات قرآن ہی سے نکالا گیا ہے رہا تواتر قرآن تو اس کے متعلق یہ اہتمام فرمایا کہ ایک طرف تو قرآن مجید موقع اور حل سوالات اور امت کی ضرورتوں کے مطابق تھوڑا تھوڑا اکر کے بتدریج ۲۳ تئیس سال کی مدت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تو دوسری طرف نماز پنجگانہ و جمعہ و عیدین وغیرہ میں ہر مسلمان پر قرآن مجید کے سوروں کا اس کی اصل عربی ہی زبان میں پڑھنا واجب قرار دیا گیا اور انکو حفظ اور تلاوت قرآن کی تاکید کی گئی اور جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا رہا حضرت پیغمبر خدا بازاروں میں میدان میں عام اجتماعات میں تمام انسانوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور یاد کراتے رہے اور اسکو حفظ کرنے اور قلمبند کرنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ کتاب وحی مقرر فرمائے جو قرآن کو لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت نے قرآن مجید کو راز بنا کر کسی ایک خاندان یا قبیلہ یا گروہ علماء تک محدود نہیں رکھا۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور قرآن مجید کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی مسلمان خود پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے قرآن سنتے اور یاد کرتے رہے۔ جب دین اسلام مکہ اور مدینہ سے نکل کر اطراف و

جو رسب میں پھیلنے لگا تو قرآن کے معلم مقرر کیے گئے جو مختلف مقامات پر جاکر قرآن کی
تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ انتقال پیغمبر خدا کے وقت کم از کم ایک لاکھ مسلمان ایسے
موجود تھے جنہوں نے جزئی یا کلی طور پر قرآن مجید کو خود پیغمبر خدا کی زبان مبارک
سے سنا تھا۔ جن میں ہزاروں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اور انتقال پیغمبر کے
بعد انہیں حفاظ قرآن اور اصحاب پیغمبر میں سے ایک جماعت نے قرآن مجید
کو کتابی صورت میں جمع کر دیا اگرچہ ترتیب سور میں فرق پیدا ہو گیا لیکن
تمام امت نے حتیٰ کہ اہل بیت رسول نے بھی اس امر کی تصدیق فرمائی کہ جو
کچھ بین الدفتین ہے وہ کلام پروردگار ہے۔ تعلیم قرآن کے مدرسے کھل
گئے۔ بچے پڑھائے جانے لگے۔ رسمی تلاوت و کتابت و حفظ و صحت کا سلسلہ
جاری ہو گیا۔ تفسیریں لکھی جانے لگیں اور اسی طرح نسل بعد نسل قرآن مجید ایک سینے
سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو ملتا رہا۔ لڑکیوں کو جہیز میں دیا جانے
لگا اور ایک لمحہ بھی امت پیغمبر خدا پر ایسا نہیں گزرا کہ قرآن ان کے
درمیان سے غائب ہو گیا ہو یا وہ قرآن سے جدا ہو گئے ہوں۔ یہاں تک کہ
ہزار سال پہلے کا قلمی قرآن اگر آج کہیں مل گیا تو آج کے رائج قرآن
میں اور اس میں کوئی فرق نہیں نظر آتا ہے قرآن مجید کے تواتر کا
مختصر بیان۔ اور ایسا تواتر دنیا میں قرآن کے علاوہ کسی کتاب کیلئے ثابت نہیں کیا
جا سکتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ الہامی کتابوں میں صرف قرآن مجید ہی وہ کتاب
ہے جس کے متعلق قطعاً اور یقیناً پورے دعوے اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا

ہے کہ یہ حرف بحرف وہی کتاب ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے
حسبِ نبوت کو ملی۔ رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کس کا کلام ہے اور اسکی تعلیمات
کا معیار کیا ہے اسکے جوابات حسب ذیل ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے

قرآن کے انسانی قدرت و اختیار سے بلند اور کلام پروردگار ہونے کی دلیل۔
دلیل علاوہ اس کی جہت اعجاز ہے۔ عرب کے اہل زبان اور سحر بیان شعراء اور خطیبوں
کے سامنے جو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہے تھے اور زبان آوری میں
کوس لمن الملک بجا رہے تھے۔ جو خلق اللہ سے اپنے کلام کی پرستش کراتے
اور ہر سال حج کے موقع پر اپنے کلام کے بہترین نمونے لیکر مکہ میں جمع ہوتے
اور بعد مقابلہ جو کلام سب سے بہتر ہوتا اسے سونے کے پانی سے لکھ کر کعبہ کی دیوار میں
لٹکا دیتے۔ ایک ایسا شخص جو بچپن کم سنی میں ماں اور باپ دونوں کے
سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا کسی
مدرسہ میں نہ بیٹھا کسی استاد کے سامنے زانوے ادب تہہ نہ کیا جس نے ابتداء
عمر سے چالیس سال کی عمر تک مکہ کے وحشی اور جاہل کفار کے درمیان میں زندگی کی۔
جس نے تمام عمر میں کبھی ایک شعر نہیں کہا۔ ادبی مقابلوں میں کبھی شریک نہیں ہوئے
کسی سے اصلاح نہ لی۔ نہایت درجہ خاموش اور گوشہ نشینی کی زندگی کے
بعد یک بیک دعویٰ رسالت کرتا ہے اور اپنی نبوت کے ثبوت میں چند جملے
خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیتا ہے۔ فصحاء عرب ان جملوں کو پڑھتے ہیں غور کرتے

(قرآن معجزہ پیغمبر اعظم از الفرقان ص ۵)

ہیں سمجھتے ہیں ان کا دماغ معطل ہو جاتا ہے۔ افکار پر جالا سا لگتا ہے۔ اور یہ کہکر
سر جھکا لیتے ہیں کہ ما ھٰذا کلامُ البَشَر۔ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے یہ ایک ضمیر
کی آواز تھی جو بے ساختہ ان کے دہن سے نکل پڑی یہ کلامِ ربانی کا اعجاز تھا کہ اس نے
جواب کے مطالبہ سے پہلے دشمنوں سے اپنے اعجاز کا قہری اعتراف کرالیا۔ وہ
قصائد جو کعبہ کی دیوار پر جواب کیلئے لٹکا دیئے گئے تھے اتار لئے جاتے ہیں اور فصحائے عرب
کے ایک ایسے کلام سے آشنا ہوتے ہیں جس کے لئے وہ یہی فیصلہ نہیں کرسکتے کہ اسے
نظم کہا جائے یا نثر۔ یہ کسی لکھی ہوئی کتاب کے جملے نہ تھے جو چالیس سال کی فرصت
میں لکھ کر یا لکھوا کر رکھ لئے گئے ہوں۔ اور وقتاً فوقتاً اس کے جملے پڑھکر لوگوں کو سنائے
جاتے ہوں۔ کیونکہ بعثت کے بعد سے آخری عمر تک پیغمبر اسلام کو جنگ اور
صلح، مخالفوں سے اور مباحثے، سوالات کے جوابات۔ امت کیلئے احکام وقوانین
تبلیغ و وعظ کے مواقع جو درپیش ہوتے رہے ان کے مطابق قرآن نازل ہوتا رہا۔
جب یہودیوں کے ایک گروہ نے آکر حضرت سے روح کے متعلق سوال کیا تو آیت
یسئلونک عن الروح الخ نازل ہوئی اور جب لوگوں نے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا
تو آیت یسئلونک عن ذوالقرنین نازل ہوئی۔ جب کفار نے شب ہجرت رسول کو قتل
کر دینے کی تدبیر کی تو آیت اذ یمکر بک الذین کفروا اور جنگ بدر کے موقع پر آیت
اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین الخ نازل ہوئی۔ اور اسی طرح سے سارے قرآن کا
مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سارا قرآن محل اور موقع کے مناسب نازل ہوا ہے
پھر یہ بات عقلاً بعید بھی ہے کہ آئندہ بیس سال زندگی کے تمام واقعات قبل

اس وقت معلوم ہو گا کہ ان کے جوابات لکھ لئے جائیں لہٰذا یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کتاب قبل بعثت چالیس سال کی مدت میں پیغمبر ؐ نے کسی سے لکھوا کر یا خود لکھ کر رکھ لی ہو۔ اور اگر کسی کو اس پر اصرار ہو تو میں عرض کروں گا کہ یہ بھی حضرت کی رسالت کی ایک دلیل ہو گی کہ آپ کو اپنی آئندہ زندگی کے تمام واقعات بالکل ٹھیک ٹھیک قبل از وقت معلوم ہو گئے تھے۔

دنیا کے بڑے بڑے باکمال شاعر بڑے بڑے خطیب اور صاحبان علم استاد کے آگے زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں۔ غلطیاں کرتے ہیں۔ اصلاح کی جاتی ہے رفتہ رفتہ جب ترقی کرکے منزل کمال تک پہنچتے ہیں تو ان کو خود اپنا سابق کلام ابتدائی مشق مہمل مضحکہ نظر آتی ہیں اور پھر کمال تک پہنچنے کے بعد بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ نقائص اور خطا سے بالکل محفوظ ہو جائیں بلکہ غلطیاں کرتے ہیں۔ مجمع عام میں ٹوک دئے جاتے ہیں اگر ایک کلام انکا قابل مدح و ثنا ہوتا ہے تو دوسرا کلام انکو مجمع میں خفیف اور شرمندہ بھی کر دیتا ہے امتداد زمانہ سے انکا رنگ کبھی گہرا کبھی پھیکا پڑتا رہتا ہے۔ کس خطیب نے غلطی نہیں کی کس شاعر کو اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کرنا پڑا۔ کس مصنف کو اپنی تصنیف میں اشاعت کے بعد رد و بدل اور کمی و اضافہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ خطا و نسیان انسان کی فطرت میں داخل ہے جسے صاحبان کمال سمجھتے ہیں اور اپنی آبرو بچاتے ہیں اپنی غلطیوں کا عذر اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہیں بڑے بڑے شعرا اپنا کلام سنانے سے قبل بنظر اصلاح کہہ کر شروع کرتے ہیں۔ لیکن ۲۳ سال کی طویل مدت میں اپنی جان و مال و عزت و آبرو کے

(قرآن ہر قسم کی غلطی و خطا سے پاک ہے) (انسان کا کلام تدریجی ہے)

سخت ترین دشمنوں کے نرغہ میں اور خاص اس فن میں جس میں ان کو کمال حاصل تھا
جس میں وہ دنیا نظیر نہیں رکھتے تھے ایک ایسا شخص جس نے کبھی شاعری و خطابت
کی مشق نہ کی۔ کبھی ادبی مقابلوں میں حصہ نہیں لیا۔ ایک ایسا فصیح و بلیغ اور
معجز نما کلام پیش کرتا ہے جس کا جواب طاقت بشری سے باہر تھا جواب تو ایک بڑی
چیز ہے کوئی اس کے کلام پر اعتراض نہ کر سکا کوئی ٹوک نہ سکا ہنس نہ سکا۔ ڈھونڈ ڈھونڈھ
سے بھی اس کے کلام میں رد و بدل ترمیم و اصلاح کی گنجائش پیدا نہ ہو سکی۔ اس کے لئے
ہزار حملوں کے مقابلہ میں ایک جملہ بنا کر پیش کر دینے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور اپنی
طرف سے نہیں بلکہ اس کے اس دعوی کے ساتھ کہ اگر تم کو قرآن کے کلام خدا ہونے میں
شک ہو تو لاؤ ایک ہی سورہ اس کے ایسا بنا کر پیش کر دو۔ اور تنہا ہی نہیں بلکہ اس دعوی
کے ساتھ کہ اگر تم تنہا نہیں بنا سکتے تو اپنے مددگاروں کو لاؤ اور اس کے ایسا
ایک سورہ بنا دو اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس دعوی کے ساتھ کہ سنو اگر تمام جن
و انس ملکر اس کے ایسا ایک قرآن بنانا چاہیں تو ہرگز اس کا مثل نہ لا سکیں گے
ارشاد ہے کہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا
یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰)
فصحائے عرب کی رگ حمیت کو انکی غیرت و نخوت کو ٹھیس لگی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں
غصہ میں جسم کانپنے لگا نتھنوں سے گرم اور لمبی لمبی سانسیں نکلنے لگیں جوش
و خروش میں اٹھتے ہیں اور بڑے بڑے اہل زبان اور سحر بیان شعراء منتخب اور نگار
ادبا ہمت کر کے جواب دینے کو بیٹھ جاتے ہیں لیکن عجز اعتراف شکست کے

کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہود و نصاریٰ، مشرکین عرب۔ دہریے سب نے کوششیں کر کے دیکھ لیا لیکن سال، دو سال، دس سال، بیس سال، صدی، دو صدیوں نہیں بلکہ آج تیرہ سو سال تمام ہو چکے کوئی اس کی ایک آیت کا مثل بنا کر نہ لا سکا۔

(قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا)

ایک اعرابی زبان پیغمبر خدا سے آیت فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا سن کر بے ساختہ بول اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ ایک دوسرے اعرابی نے آیت فاصدع بما تؤمر سنا اور سجدہ میں جھک گیا۔ ولید بن مغیرہ جو اپنے زمانہ کا حکیم تھا کفار قریش کا بھیجا ہوا پیغمبر اسلام کی خدمت میں مقابلے کے لئے آتا ہے اور آیت فان اعرضوا فقل انذرتکم صٰعقة مثل صٰعقة عاد و ثمود سنتا ہے اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ جا کر اپنے گھر میں خاموش بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ کفار کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا لیکن دریافت کرنے پر جواب دیتا ہے کہ میں مسلمان تو نہیں ہوا ہوں لیکن میں نے محمدؐ سے ایسا کلام سنا ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن کانپنے لگا۔

جارج سیل صاحب عیسائی لکھتے ہیں کہ لبید عامری جو حضرت محمد صلعم کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں سے تھا اس کا ایک قصیدہ خانہ کعبہ کے دروازے پر چسپاں تھا اور کسی شاعر کو اس کے مقابلے میں اپنی کسی تصنیف کے پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن جب تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قرآن کے دوسرے سورہ کی آیتیں اس کے مقابلہ میں لگائی گئیں تو خود لبید شروع کی آیت پڑھ کر دریائے حیرت میں ڈوب گیا اور فوراً اسلام قبول کیا اور بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف الہامی زبان سے نکل سکتے ہیں (اعجاز التنزیل ص ۱۲۶ بحوالہ دیباچہ ترجمہ قرآن مترجمہ سیل صاحب)

حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ابن ابی العوجا اور ابوشاکر دیصانی - ابن مقفع
اور عبد الملک بصری اپنے زمانے کے چار ادیب کعبہ میں جمع ہوئے اور باہم مشورہ
کیا کہ قرآن کا چار حصہ کرکے چاروں آدمی اس کا جواب لکھ کر سال آئندہ لائیں دوسرے
سال جب یہ سب جمع ہوئے تو ابوالعوجا نے کہا کہ میں سال بھر تک آیت فلما استیئسوا
منہ خلصوا نجیا میں غور کرتا رہا لیکن جواب نہ لکھ سکا عبد الملک نے کہا کہ میں آیت
ان الذین یدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ میں غور کرتا رہا اور
ابوشاکر نے کہا کہ میں آیت لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا میں غور کرتا رہا
ابن مقفع نے کہا کہ میں آیت قیل یا ارض ابلعی مائک الخ میں غور کرتا رہا لیکن جواب
نہ لکھ سکا - یہ لوگ ابھی گفتگو ہی کر رہے تھے کہ ادھر سے امام جعفر صادق علیہ السلام
یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے گذرے کہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو
بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا - یعنی اے رسول کہہ دو کہ اگر
تمام جن وانس ملکر اس قرآن کا مثل بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے چاہے وہ ایک دوسرے
کے مددگار بن جائیں - مقدمہ انوار القرآن بحوالہ نصر المومنین ص ۵ تا ۱۱)

جرمنی مورخ جسٹس درش صاحب لکھتے ہیں کہ شادی و غم - عشق و محبت - ہمت و شجاعت
کے وہ عظیم الشان اظہارات جنکی کچھ خفیف سی صدائیں اب ہمارے کانوں
میں آتی ہیں محمدؐ کے زمانہ میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمدؐ کو سب سے زیادہ
فصیح و بلیغ لوگوں سے برابری ہی نہیں کرنی پڑی بلکہ ان پر فوقیت بھی پانا پڑا تھا اور
اپنے کلام کی فصاحت و بلاغت کو اپنے دعوے کی دلیل گردانا پڑا تھا

(قرآن نے انسان کی حقیقت کو بتلا دیا)

محمدؐ کے پہلے شعرائے عرب نے عاشقانہ اشعار بہت کہے تھے۔ چنانچہ عنترہ نے جس نے عشق کا حال ایک بہت مشہور داستان میں لکھا ہے اور امرؤ القیس نے جس کو محمدؐ نے پیشوائے شعرائے عرب مگر رہنمائے جہنم بتایا ہے نہایت عالی اور ابدار مضامین عشقیہ نظم کئے اور شراب و کباب اور معشوقان ماہوش و سیمین تن کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے۔ مگر محمدؐ نے عاشقانہ مضامین نظم نہیں کئے نہ کوئی عاشقانہ غزل کہی نہ اس دنیائے فانی کی راحت و رنج نہ عرب کی شمشیر آبدار و شتر بے مہار نہ عرب کے رشک و حسد اور خواہش انتقام نہ کسی قوم و قبیلہ کے آباواجداد کی شجاعت و جوانمردی کا ذکر کیا نہ کوئی ایسا مضمون بیان کیا جس سے معلوم ہو کہ اس کے نزدیک وجود بشر کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور انسان کے لئے مطلق فنا ہو جانا ہی ہے (اس عبارت کو میر و فیسر کلیمونج صاحب ملاحظہ فرمائیں جنہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قرآن انسان کی قیمت کو گھٹا دیتا ہے)

الغرض محمدؐ نے لوگوں کو شعر و سخن نہیں سکھایا بلکہ اسلام سکھایا اور کیونکر سکھایا کہ زمین و آسمان شق کر کے جنت و نار کو مجسم کر کے دکھا دیا (اعجاز التنزیل بحوالہ رسالہ کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲۷ ص ۲۵۲ لندن سنہ ۱۸۶۹ء)

غرض قرآن کی فصاحت و بلاغت کے مقابلے میں باوجود کوشش بلیغ کے اور باوجود غم و غصہ کے فصحائے عرب کی ہمتیں پست ہو گئیں چنانچہ بہتروں نے تو سر تسلیم خم کیا اور اسلام قبول کیا اور بہت سے متعصب اور جاہل لوگوں

نے قلم ہاتھ سے رکھا اور تلوار پر ہاتھ رکھا - مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو گئے
ایک آسان مقابلہ کو چھوڑ کر مشکل راہ انتقام اختیار کی کیا یہ قرآن کے معجزہ
اور زندہ اور دائمی کتاب خدا ہونے کی واضح دلیل نہیں ہے اور کیا یہ
پیغمبر اسلام کی رسالت کا واضح ثبوت نہیں ہے -

(اگر کوئی کہے)
کہ یہ تو اس زمانے کے لوگوں کا حال تھا جنکے متعلق معلوم ہے کہ وہ ہر طرح کے علوم و فنون سے
بے بہرہ اور انتہائی جہالت و وحشت میں پڑے تھے لیکن آج دنیا کی ترقی کا وہ
دور ہے جسنے سلف کے کارناموں متقدمین کے آثار کمال کو بہت پیچھے چھوڑ کر
انسانی کمالات کو آسمان اعلیٰ پر پہونچا دیا ہے - آج فلسفہ - ہیئت - طب -
سائنس - تاریخ - جغرافیہ - ادب - لطافت و پاکیزگی زبان و فصاحت و بلاغت
غرض ہر علم و فن میں انسانی ترقی نے قدیم علوم و فنون کو منسوخ کر دیا
ہے - انہیں طاق نسیان پر رکھوا دیا ہے نہ آج امراء القیس اور لبید کی
زبان دنیا میں رائج رہی نہ فرس قدیم کا کوئی بولنے والا رہا - نہ میر تقی - میر و آتش
کی زبان باقی ہے نہ وید و پران کے پڑھنے والے اور سمجھنے والے موجود ہیں
عربی زبان ہو یا فارسی - اردو ہو یا سنسکرت - آج کی نرم و شیریں و وسیع زبان
نے قدیم زبانوں کو دنیا سے ختم کر دیا - مثلاً میر اور ناسخ اپنے اپنے زمانے
کے بیشک بے مثال شاعر تھے انکی زبانیں اس زمانے کے لحاظ سے فصیح
ترین زبان تھی - لیکن میر انیس کے بعد اب میر کی زبان بولے جانے کے قابل
نہ رہی - اسی طرح آج کے علوم کے مقابلے میں قدیم علوم بھی پڑھنے اور پڑھانے

کے قابل نہ رہے۔ بیشک یہ کہ اقوام عالم کی وہ مذہبی کتابیں جنکو وہ آسمانی کتاب
کہتے ہیں جیسے وید۔ توریت و انجیل وغیرہ۔ شائستگی و ادب و خیالات و مضامین
ہر حیثیت سے اتنی پست ہوگئیں کہ بجز اسکے کہ عقیدتاً انکا احترام کر لیا جاتا
ہے کوئی ادنیٰ انسان بھی انکو پڑھنے کے قابل نہیں سمجھتا اسی طرح
قرآن مجید بھی چودہ سو سال کی پرانی کتاب ہے اب اسے پڑھنے کی کیا ضرورت
ہے۔ تو عرض کروں گا کہ بیشک یہی تو قرآن مجید کے کلام پروردگار ہونے
کی روشن دلیل ہے کہ جس طرح انسان جسقدر بھی بلند ہوتا جائے اس
کا سر ہمیشہ جسم سے بلند ہی رہتا ہے اور کبھی گھٹیا ہو کر کاٹ ڈالنے کے
قابل بھی نہیں ہوتا اسی طرح سے قرآن مجید کمالات انسانی کا سر ہے
انسانیت جسقدر بھی بلند ہوتی رہی اور بلند ہوتی جائیگی قرآن مجید
سطح کمالات بشری سے ہمیشہ بلند نظر آیا اور بلند رہیگا اور یہ حرف
الفاظ نہیں ہیں بلکہ شاہد رہے گواہ اور دلیلیں شاہد ہیں -
حقیقت یہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل مکہ کی جاہل اور وحشی اقوام
کے اندر پرورش پانے والا بچہ جسنے کبھی ایک گھنٹہ کیلئے بھی کسی استاد
کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ لکھنا۔ پڑھنا نہیں سیکھا۔ علماء و فلاسفہ
کی صحبت نہ اٹھائی آسمان کے تارے کہاں سے توڑ کر لا دیا اگر اپنی غیر معمولی
دماغی طاقت سے کچھ حکیمانہ باتیں پیدا بھی کرتا کچھ رنگ طبیعت بھی دکھاتا
تو زیادہ سے زیادہ وہاں کی اور اس زمانے کی وحشی اور جاہل قوموں پر

(دراصل علوم و فنون کی سرچشمہ قرآن کو بہتر طور پر یا صحیح معنی میں سمجھ سکتے ہیں)

کچھ رنگ جما لیا اور کچھ دنوں اسے اپنی تخلیق کر لیا لیکن کچھ ہی دنوں کے
بعد جب ذرا جہالت کے بادل چھٹتے اور دنیا میں علم کی روشنی پھیلتی
اسکی حقیقت واضح ہو جاتی اور اسکے کلام و تعلیمات کا معیار پست و حقیر
ہو جاتا اور اس کا نام دنیا سے مٹ جاتا کیونکہ انسان جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے عہد اپنے
ماحول اپنے ہم نشینوں سے سیکھتا ہے ۔ انتہائی جدت طبع اور جودت ذہن کے بعد بھی اسکے
کلام اسکے خیالات اسکے فلسفہ پر ماحول اور زمانے کا گہرا رنگ باقی رہجاتا ہے ۔
متقدمین سے لیکر اجتک ہر زمانے کے شعراء کے اشعار و مصنفین کے تصنیفات
دیدہ کو ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ ماحول اور زمانے کا رنگ کتنا غالب رہا ہے
ارزانی و سکون و اطمینان کے زمانے کے شعراء کے کلام میں عشق و محبت شراب
و کباب گل و بلبل کا رنگ زیادہ غالب نظر آئیگا ۔ لیکن انقلابی دور کے شعراء
میں ان خیالات کا فقدان نظر آئے گا اور اسی پر دیگر علوم و فنون کو بھی قیاس
کیجئے لیکن ایک قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جسے جس حیثیت سے بھی دیکھئے
ہمیشہ آسمان کمال پر نظر آتا رہا ۔ بحیثیت زبان و فصاحت و بلاغت آج بھی دنیا
میں کوئی کتاب اسکے مقابل نہیں ۔ قرآن کی زبان کبھی متروک نہیں ہوئی
آج کی رائج عربی زبان میں بھی قرآن کو وہ فضیلت حاصل ہے جو قرون اولیٰ میں اس کتاب
کو ۔ زبان عربی صرف مسلمانوں ہی کی میراث نہیں ہے ۔ آج بھی بہت سے لا مذہب
اور یہود و نصاریٰ ایسے موجود ہیں جنکی مادری زبان عربی ہے جو شاعری اور علم
ادب میں مہارت تامہ رکھتے ہیں جنکے اشعار اور ادبی کتابیں اسکولوں اور

کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور جو اکثر اوقات مسلمانوں سے مذہبی مباحثے اور مناظرے کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ انتہائے عناد و تعصب میں پیغمبر اسلام کی توہین اور قرآن پر بے جا اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آجتک کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں پارہ دو پارہ نہیں سورہ نہیں ایک آیت ہی بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیتے اور سارے جھگڑوں کا فیصلہ کر دیتے۔ میرے سامنے اسوقت بائبل موجود ہے جس کا بڑے بڑے علمائے نصاریٰ نے بڑی سعی و کوشش سے زبان عربی میں [illegible] ترجمہ کیا ہے اور ہمیں شک نہیں کہ بہت خوب ترجمہ کیا ہے اور جمعیت برطانیہ نے اسکو چھپوا کر آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا ہے اسکی چند آیتیں نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔ عربی ادب کے جاننے والے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ اس عبارت کو قرآن مجید کی عبارت سے کوئی نسبت بھی ہے یا نہیں۔

(جناب مریم کا حمل اور جناب عیسیٰ کی ولادت)

وفی الشهر السادس ارسل جبرائیل الملاک من الله الی مدینة من الجلیل اسمها ناصره الی عذراء مخطوبة لرجل من بیت داؤد اسمه یوسف واسم العذراء مریم فدخل الیها الملاک وقال سلام لک ایتها المنعم علیها الرب معک۔ مبارکة انت فی النساء فلما راته اضطربت من کلامه وفکرت ما عسیٰ ان تکون هذه التحیه فقال لها الملاک لا تخافی یا مریم لانک قد وجدت نعمة عند الله وها انت ستحبلین وتلدین ابنا وتسمینه یسوع هذا یکون

عظیما وابن العلی یدعی ویعطیہ الرب الالٰہ کرسی داؤد ابیہ ویملک علی بیت
یعقوب الی الابد ولایکون لملکہ نہایۃ فقالت مریم للملاک کیف یکون ھذا
وانا لست اعرف رجلا فاجاب الملاک وقال لھا الروح القدس وھوذا الیصابات
نسیبتک ھی ایضا حبلی بابن فی شیخوختھا الخ انجیل لوقا آیت ۲۶ تا ۳۸)
ترجمہ۔ اور چھٹے مہینہ جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا
نام ناصرہ تھا ایک کنواری لڑکی کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے
کے ایک مرد کے ساتھ ہو چکی تھی جس کا نام یوسف تھا اور اس کنواری کا نام مریم تھا
فرشتہ مریم کے پاس پہنچا اور کہا کہ سلام ہو تجھ پر جس پر پروردگار کا فضل ہوا ہے
خدا تیرے ساتھ ہے وہ اس کلام سے گھبرا گئی اور سوچا یہ سلام کیسا ہے فرشتہ نے
اس سے کہا کہ اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور
تو حاملہ ہوگی اور ایک لڑکا جنے گی اس کا نام یسوع رکھنا وہ بزرگ ہوگا
اور خدا کا بیٹا کہلائے گا اور خدا اسے باپ داؤد کا تخت اسے عطا فرمائے گا اور
وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہت کرے گا اور اس کی سلطنت کو زوال
نہ ہوگا۔ مریم نے فرشتہ سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی
فرشتہ نے جواب دیا کہ دیکھ تیری رشتہ دار الیصابات کو بھی بڑھاپے میں بیٹا
پیدا ہونے والا ہے الخ اور اس واقعہ کو صحیح کے ساتھ قرآن مجید نے یوں نقل
کیا ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا
شرقیا ہ فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا ہ

(انجیل سے ایک عربی ترجمہ اور آیات قرآن کے نمونے)

قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا ہ قال انما انا رسول ربک لاھب لک
غلاما زکیا ہ قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا ہ قال کذلک
قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا ہ
فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ قالت یلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا
منسیا ہ الخ یعنی اے رسول قرآن میں مریم کا بھی ذکر کرو کہ جب وہ اپنے لوگوں سے
جدا ہو کر پورب والے مکان میں (غسل کے واسطے) جا بیٹھی۔ پھر اپنے ان لوگوں کے سامنے
پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح (جبرئیل) کو اس کے پاس بھیجا تو وہ بالکل آدمی کی
صورت میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا (وہ اس کو دیکھ کر گھبرائی) اور کہنے لگی
کہ اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں فرشتہ نے کہا میں
تو صاف تیرے پروردگار کا پیغام بر فرشتہ ہوں تاکہ تجھ کو پاک و پاکیزہ لڑکا
عطا کروں۔ مریم نے کہا کہ مجھے لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ کسی آدمی نے مجھے
چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا
(مگر) تیرے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ بات مجھ پر بہت آسان ہے تاکہ اس کو
پیدا کر کے لوگوں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی قرار دوں اور اپنی خاص رحمت
کا ذریعہ بناؤں۔ پس وہ آپ ہی آپ حاملہ ہوگئی پس وہ لوگوں سے جدا ہو کر
الگ ایک دور کے مکان میں چلی گئی تو دردِ زہ اسکو ایک کھجور کے درخت کی طرف
لے آیا۔ تو وہ شرم سے کہنے لگی کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور نابود ہوجاتی۔
پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۵ تا ۲۲) صاحبان علم ان دونوں عبارتوں کو الفاظ کے

سامنے دیکھیں تو انسان اور خدا کے کلام کا فرق بالکل واضح ہو جائیگا۔ اچھا نسبت خاک را با عالم پاک۔ نیز انجیل کی عبارت کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے خدا و ند عالم اور جناب مریم کے علاوہ کوئی تیسرا شخص جناب مریم کے قصہ کو بیان کر رہا ہے لیکن قرآن مجید کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ خود خدا اپنے رسول کو مخاطب کر کے مریم کا واقعہ بیان فرما رہا ہے۔

(قرآن مجید اختلاف و تضاد سے پاک ہے)

مختلف اغراض و مقاصد مختلف محل و مواقع مختلف علوم و فنون کے لحاظ سے اگر ایک شخص کی پوری زندگی کے اقوال و بیانات قلمبند کئے جائیں تو اسمیں یقیناً چند طرح کے اختلافات نظر آئینگے۔ اولاً فصیح و غیر فصیح محل و بے محل پست و بلند الفاظ و عبارت کا واضح فرق نظر آئے گا کیونکہ انسان کی ترقیاں تدریجی ہوتی ہیں [illegible] ایک کہنہ مشق انسان کو جو اقتدار و تسلط کلام پر حاصل ہوتا ہے وہ نو مشق کو حاصل نہیں ہو سکتا دوسرے جذبات و خیالات اور مضامین کی بلندی و پستی شوخی و رنگینی و متانت کا فرق نظر آئے گا۔ کیونکہ جوانی کے جذبات و خیالات اور ہوتے ہیں اور ضعیفی کے اور۔ عمر بڑھتی جاتی ہے تجربے اور مطالعے بڑھتے جاتے ہیں اور انسان کے جذبات پاکیزہ اور خیالات بلند ہوتے جاتے ہیں تیسرے تضاد بیانی کا ہونا بھی لازمی ہے کیونکہ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت میں محل و موقع کے مناسب انسان خود اپنے بیانات اور دعووں کو بدلتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں اگر انسان عموماً اپنے بیانات میں تغیر نہ بھی کرے جب بھی امتداد زمانہ سے اس پر سہو و نسیان طاری ہوتا ہے اور وہ بے اختیار متضاد باتیں بول جاتا ہے خصوصاً قوانین ملکی و قومی کا تو کوئی ضابطہ موجود نہیں۔

ہے روزانہ بنتے رہتے ہیں اور روزانہ ترمیم و تغیر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے لیکن قرآن مجید ان عیوب سے پاک ہے ہیس برس کی مدت میں قرآن مجید پیغمبر خدا پر نازل ہوا لیکن ہائے بسم اللہ سے تائے تمت تک پڑھ جائیے کلام کی ایک شان نظر آئے گی عبادت کی حیثیت سے رعب و دبدبہ فصاحت و بلاغت روانی۔ خیالات و مضامین کی بلندی۔ لغویات و خرافات سے دوری کی حیثیت سے نہ یہاں نو مشقی اور کہنہ مشقی کا فرق دکھائی دیگا نہ جوانی کی رنگینی و شوخی اور ضعیفی کی متانت کا اختلاف نہ بیانات اور دعووں میں تضاد نہ قوانین میں ٹکراؤ اور یہ بات انسان کی قدرت سے باہر ہے جس سے [illegible] قطعاً ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے کہ افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنی یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کہ اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو ضرور اسمیں بڑا اختلاف ہوتا۔

(قرآن کی پیشگوئیاں)

خداوند عالم نے اپنے رسول کو لوگوں کے دل کے حالات مثل ایمان و نفاق وغیرہ کے اور کفار کے ارادوں۔ قیامت تک ہونے والے واقعات کی قرآن میں خبر دی اور وہ سب باتیں بالکل اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن نے خبر دی تھی جنکی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔ [illegible] اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ کفار و منافقین اپنے خیالات اور ارادوں کو بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے دلمیں چھپاتے اور پیغمبر اسلام اور مسلمانوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے

کیونکہ اس کے ظاہر کرنے میں ان لوگوں کیلئے خطرات تھے لیکن قرآن نے ان کے دل کی پوشیدہ
باتوں کو بتا دیا مثلاً سورہ منافقون میں فرماتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا جاءک المنافقون
قالوا نشہد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشہد ان المنافقین لکاذبون ۝
اتخذوا ایمانہم جنۃ الخ یعنی اے رسول جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے
ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور خدا بھی جانتا ہے کہ
تم اس کے رسول ہو لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اعتقاد کی حیثیت
سے جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر کچھ
آگے ارشاد فرماتا ہے کہ ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ
حتی ینفضوا وللہ خزائن السموات والارض ولکن المنافقین لا یفقہون ۝ یعنی
یہ وہی لوگ تو ہیں جو انصار سے کہتے ہیں کہ جو مہاجرین رسول خدا کے پاس رہتے ہیں
ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ لوگ خود تتر بتر ہو جائیں حالانکہ سارے آسمان و زمین
کے خزانے خدا ہی کے پاس ہیں مگر منافق نہیں سمجھتے۔ اور سورہ بقر میں فرماتا ہے
ان الذین کفروا سواء علیہم أانذرتہم ام لم تنذرہم لا یومنون ۝ یعنی بیشک
جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کے لئے برابر ہے خواہ انکو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ
ایمان نہ لائینگے الخ اور بھی اسی قسم کی بہت سی خبریں خدا نے پیغمبر کو دیں اور
وہ سب صحیح نکلیں۔

فتح روم) ایک مرتبہ خسرو شاہ عجم جو کہ آتش پرست تھا اور بادشاہ روم میں جو مسیحی
تھا تمام لیگری میں جنگ ہوئی اس لڑائی میں آتش پرستوں کو اہل کتاب پر فتح

ہوئی اس فتح کو کفار قریش نے اپنے لئے فال نیک سمجھا اور مسلمانوں پر طعن کرنے
لگے کہ تم بھی اہل کتاب ہو جیسا کہ عیسائیوں کو شکست ہوئی ہے تم کو بھی ہوگی
اسپر مسلمان غمگین ہو گئے اس وقت خدا نے انکی تسکین کیلئے آیت نازل فرمائی
کہ الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۝ فی بضع سنین ۝
للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون ۝ بنصر اللہ یعنی قریب کی سرزمین
میں رومی بیشک مغلوب ہو گئے ہیں مگر وہ شکست کے بعد عنقریب چند سال کے اندر
غالب آئینگے پہلے ہو یا بعد سب اللہ کے اختیار میں ہے اس دن مومن خدا کی
مدد سے خوش ہونگے اس آیت کے نازل ہونے کے دس سال کے اندر جنگ بدر کے
روز خبر آئی کہ رومیوں کو ایرانیوں پر فتح ہو گئی۔ واضح رہے کہ لفظ بضع کا اطلاق دس سال
سے کم پر ہوتا ہے۔

(کفار کی شکست اور اسلام کی فتح) خداوند عالم نے اپنے رسول سے فرمایا کہ قل للذین کفروا
ستغلبون وتحشرون الی جہنم یعنی اے رسول کہدو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر اختیار
کیا ہے کہ عنقریب تم شکست کھاؤگے اور جہنم میں بھیجے جاؤگے چنانچہ ایسا ہی ہوا
کہ کفار مغلوب ہوئے اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

فتح مکہ کی خبر) شب ہجرت جب کفار نے رسول کے قتل کی سازش کی اور پیغمبر کو
مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی تو خدا نے فرمایا کہ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک
الی معاد ۝ یعنی بیشک جس نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ تم کو تمہارے مقام عود کی
طرف واپس کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار کو شکست ہوئی اور پیغمبر فاتح و منصور

ملک میں داخل ہوے۔ یہ پیشگوئیاں تو ایسے زمانہ سے متعلق تھیں جو آج سے بہت دن قبل گذر چکا۔

(کوئی قرآن کا مثل نہ لا سکیگا)

اب وہ پیشگوئیاں ایسی بھی تحریر کر دونا جو قیامت کیلئے ہیں خداوند عالم نے اپنے رسول کو خبر دی کہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ یعنی اے رسول کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن ملکر بھی چاہیں کہ اس قرآن کے ایسا قرآن بنا لائیں تو اس کا مثل نہ لا سکینگے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں چنانچہ آجتک دنیا نے انتہائی سعی و کوشش کی لیکن کوئی شخص قرآن کے ایسی ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکا یہ قرآن کی وہ عظیم ترین پیشگوئی ہے جس کے مقابل میں دشمن کی زبان بند ہے۔

یہود کی ذلت) خداوند عالم نے یہودیوں کی دائمی ذلت و خواری کی پیشگوئی کی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آجتک یہود کو دنیا میں عزت نہیں ملی۔ ارشاد پروردگار ہے کہ لن یضروکم الا اذی وان یقاتلوکم یولوکم الادبار ثم لا ینصرون ضربت علیھم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباؤ بغضب من اللہ وضربت علیھم المسکنۃ بانھم کانوا یکفرون بایات اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر الحق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون ۰ (سورہ آل عمران پارہ ۴ یعنی اے مسلمانو یہ یہود) بجز اذیت رسانی کے تمکو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے۔ اور اگر تم سے لڑینگے تو انکو پیٹھ دکھانا پڑیگی اور انکی مدد نہیں کیجائیگی اور جہاں کہیں پائے گئے انپر رسوائی کی مار پڑی مگر خدا کے عہد یا انسانوں کے عہد کے ذریعہ سے انکو پناہ ملگئی اور یہ خدا کے غضب میں پڑے رہے اور انپر محتاجی کی مار پڑی کیونکہ

(سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ [illegible])

(یہودیوں کی حکومت قائم ہونے یا نہ ہونے سے متعلق قرآن میں کوئی پیشگوئی نہیں ہے)

وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ سزا اسکی
ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے گذر گئے۔
واضح ہو کہ مسلمانوں میں شہرت ہے کہ قرآن مجید میں یہودیوں کے متعلق یہ پیشگوئی
ہے کہ ان کو قیامت تک بادشاہت نہ ملیگی حالانکہ قرآن مجید میں کوئی آیت
بھی ایسی نہیں ملتی جسمیں اس قسم کی پیشگوئی ہو عموماً مفسرین نے جس آیت
سے اس مطلب کو سمجھا ہے وہ یہی آیت ہے جو میں نے تحریر کی۔ اس آیت
میں دو لفظ ایسے ہیں جن سے یہ معنی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک لفظ ذلت
ہے اور دوسرا لفظ مسکنت ہے ذلت کے معنی ہیں رسوائی و خواری کے
مفسرین نے کہا ہے کہ یہودیوں کی ذلت سے جزیہ کی ذلت مقصود ہے یعنی وہ جہاں
بھی رہینگے انکو جزیہ دیکر رہنا ہوگا جیسا کہ بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے ارشاد ہے
کہ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس یعنی وہ جہاں کہیں بھی پائے
جائینگے عہد خدا کے ساتھ یعنی جزیہ دیکر اور عہد مومنین کے ساتھ پناہ پائینگے
اور مسکنت کے معنی لغت میں فقر، ذلت، ضعف کے ہیں۔ مفسرین میں سے بعض نے مسکنت
کے معنی فقر کے لئے ہیں اور بعض نے ذلت کے معنی لئے ہیں اور اس پوری آیت کا حاصل
یہ سمجھا ہے کہ یہود جہاں بھی رہینگے جزیہ دیکر اور دوسروں کی پناہ میں رہینگے لہذا کبھی
ان کو حکومت حاصل نہ ہوگی۔ میں عرض کرتا ہوں کہ مفسرین نے ان آیات کا جو معنی
سمجھا ہے وہ سراسر تکلفات پر مبنی ہے۔ سوا ابتدائی آیت میں جملہ لم لا یضروکم سے
یہ معنی سمجھنا کہ ان کو انسانی فلاح نہیں ہوسکے گی یہی ایک تکلف ہے کیونکہ آیت میں

میں لفظ ناس سے مومنین کا مراد لینا بھی درست نہیں ہے کیونکہ ناس کے لفظ میں
انسان کے بس جس میں مومن و کافر کی کوئی قید نہیں ہے لہذا آیت کا صاف
صاف معنی یہ ہوگا کہ جہاں کہیں بھی یہ یہودی پائے جائینگے خدا اور انسانوں
کی پناہ میں پائے جائینگے یعنی کبھی انہیں یہ طاقت پیدا نہوگی کہ اپنے بل بوتے
پر کوئی ملک حاصل کر سکیں چنانچہ آجتک جہاں کہیں بھی یہود آباد رہے دوسروں
کی پناہ میں رہے اور یہ بھی جو صیہونی حکومت قائم ہوئی ہے وہ امریکہ
کا عطیہ ہے اگرچہ ابھی خود وہ معرض نزاع میں ہے لیکن اسکی بقا بھی
انگریزوں ہی کے سہارے پر ہے۔ و ضربت علیہم المسکنۃ یعنی انپر احتیاج
کی مار پڑی ہے یعنی حیثیت وہ اپنے کو فقیر و محتاج ظاہر کرتے رہینگے اگرچہ
وہ فقیر نہوں۔

خلاصہ ان کل آیتوں کا یہ نکلتا ہے کہ یہود دنیا میں ہمیشہ ذلیل و خوار
رہینگے اور ہمیشہ دوسروں کی پناہ دئے پناہ پائینگے اور اپنے بل بوتے
پر کچھ نہ کر سکینگے جیسا کہ آجتک ہوا اور ہو رہا ہے۔ ان آیتوں
کے علاوہ قرآن مجید میں دوسری آیتیں جو یہود کے متعلق ہیں انمیں
سے جن آیات میں انکی ذلت و خواری کا ذکر ہے ان سے انکی عام ذلت
و خواری مقصود ہے اور جن آیات میں یہود کی جلا وطنی کا ذکر ہے وہ
زمانہ پیغمبر ﷺ کے بعض مخصوص قبائل یہود سے متعلق ہے جیسے بنو عامر
اور بنو نضیر وغیرہ۔

(الثانی) مدد کی طرف وی اشارہ موجود نہیں ہے بلکہ آیت کا مطلب صرف یہ
ہے کہ انکی مدد نہ کی جائیگی اور ہو سکتا ہے کہ مدد سے یہاں پر خدا کی مدد مقصود ہو
۲۔ لفظ ذلت سے جزیہ کی ذلت مراد لینا دوسرا تکلف ہے حالانکہ ذلت ہر طرح
کی ہوتی ہے حسن نے کہا ہے کہ ضربت علیہم الذلۃ کے معنی یہ ہیں کہ یہود کو کبھی
عزت نہیں حاصل ہوگی۔ اور قرآن کی گفتگو کا بالکل حق ہے چنانچہ یہی دنیا میں
حقیر یہودی ذلیل و خوار سمجھے جاتے ہیں کوئی دوسری قوم نہیں سمجھی جاتی چنانچہ
چنانچہ ہٹلر کتاب میں اپنی کتاب تمدن ہند میں یہودیوں کی سود خواری
اور بے رحمی و قساوت قلب کی بڑی مذمت کی ہے اور انکو بہت برا کہا ہے
اور کہا یہ ذلت یہودیوں کیلئے کچھ کم ہے اٹلی و انگلستان وغیرہ غرض تمام
دنیا کی حکومتیں اپنے ملک سے انکو نکال رہی ہیں اور روس بھی بنا بر فلسطین
میں انکی کس حالت ہے کہ جب ان کو ہر ملک سے نکالا جا رہا ہے تو آخر
وہ کہاں جائینگے اگرچہ انہیں انگریزوں کی سرزمین نا انصافی ہے کہ انکو مسلمانوں
کے ملک میں لاکر آباد کیا جا رہا ہے کیا یورپ میں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں
انکو ایک گوشہ میں آباد کر دیا جاتا لیکن انگریز تو مسلمانوں کے سر پر ہی لا
لا دنا چاہتے ہیں۔
۳۔ الا بحبل من اللہ یعنی حبل سے عہد خدا اور عہد سے جزیہ مراد لینا تکلف بالا
تکلف ہے۔ اسلئے کہ صاف صاف حبل خدا سے امان خدا مقصود ہے جیسا کہ حسن
اور قتادہ نے کہا ہے کہ عہد سے عام امان مقصود ہے اور اسی طرح حبل من الناس

غرض یہ کہ قرآن مجید نے جو پیشگوئیاں کی ہیں۔ وہ حرف بحرف صحیح نکلیں
جو اس کے کلام پروردگار ہونے کی روشن دلیل ہے

((قرآن مجید انسان کے امراض روحانی و جسمانی کا علاج ہے))

(چند قرآنی علاج)

قرآن مجید نے انسانوں کو جو روحانی درس دیئے ان کا مختصر بیان آگے آئے گا اور
جن حضرات کو تفصیلی معلومات کا شوق ہو وہ قرآن مجید اور تفسیروں کا مطالعہ فرمائیں
اور فیصلہ کریں کہ آیا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب نے بھی ایسے تعلیمات
دیئے ہیں پس جس طرح قرآن مجید انسان کے امراض روحانیہ کیلئے شفا ہے اسی طرح
امراض جسمانیہ کیلئے بھی شفا ہے بلکہ اگر ہماری زبان میں طاقت ہو تو قرآن
کے ذریعہ سے مردے زندہ کئے جا سکتے ہیں اور پہاڑ چلائے جا سکتے ہیں
مگر ہم اسطرح آلودہ گناہ ہیں کہ ہماری زبانوں میں طاقت و اثر باقی نہیں رہا
مومنین کے فائدے کی غرض سے دو ایک علاج لکھے دیتا ہوں لیکن ان
کی قدر کیجئے گا اور قرآن کا امتحان نہ لیجئے گا۔ ع۱ اگر کسی کو صرع یعنی مرگی
کا دورہ پڑتا ہو تو جس وقت دورہ پڑے فوراً قرآن مجید اسکے سینے پر رکھ
دیا جائے فوراً ہوش آ جائے گا۔ بہت مجرب ہے اور اگر کسی بچے کو دورے
پڑتے ہوں تو ایک کاغذ لکھ کر مجھ سے تعویذ منگا لیجئے اور اس کے گلے میں
ڈال دیجئے پھر انشاءاللہ دورہ نہ پڑے گا۔ ع۲ اگر کسی عورت کو دردزہ
کا مرض ہو اور وضع حمل میں دشواری ہو تو آیت اولم یر الذین کفروا ان
السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا هما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا

یوعدون وآیۃ لہم اللیل نسلخ منہ النہار فاذا ہم مظلمون ونفخ فی الصور
فاذا ہم من الاجداث الی ربہم ینسلون کانہم یوم یرون ما یوعدون لم
یلبثوا الا ساعۃ من النہار ۔ ان آیات مبارکہ کو کسی کاغذ پر یا کپڑے پر روشنائی
یا پنسل سے لکھ کر حاملہ کی کمر میں باندھ دیں بسہولت وضع حمل ہو جائیگا
لیکن بچہ پیدا ہوتے ہی فوراً تعویذ کھول لیں مجرب ہے اسی طرح جملہ امراض
کا علاج قرآن مجید میں موجود ہے کیا یہ اس کے کلام پروردگار اور معجزہ
ہونے کی دلیل نہیں ہے ۔

(قرآن نے انسانوں کو کیا فائدہ پہنچایا)

فی زمانہ آزاد خیال طبقہ کی طرف سے عموماً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قرآن نے انسان کو کیا فائدہ پہنچایا اگرچہ بظاہر اس سوال سے سائل کا مقصود صرف روٹی ہے کیونکہ موجودہ دنیا کو روٹی کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں ہے لیکن بھوک بھی دو طرح کی ہوتی ہے ۱۔ زندگی کی بھوک ۲۔ حرص و محبت دنیا کی بھوک ۔ زندگی کی بھوک رکھنے والے اگرچہ اس دنیا میں بہت ہیں اور ان کا پیٹ بھی بھر سکتا ہے لیکن آج ان کی آواز میں کوئی طاقت نہیں ہے نہ ان کا کوئی پوچھنے والا ہے لیکن حرص دنیا کا بھوکا کبھی سیر نہیں ہوتا اسے جتنا بھی مل جائے پھر بھوکا کا بھوکا ہے اور اسی قسم کے بھوکوں کی آوازیں آج ہر طرف دنیا میں بلند ہیں آج دنیا کی ساری مصیبتوں کا واحد سبب یہی حرص و دولت دنیا ہے آج جدھر سنئے یہی آواز بلند ہے کہ دولت بڑھاؤ دولت بڑھاؤ کسی گمراہ کن رہنما نے دنیا کو یہ سبق دیا کہ جیب بڑھاؤ آمدنی بڑھے گی ۔ پھر کیا

(حرص دنیا کا بھوکا کبھی سیر نہیں ہوتا)

تھا ناعاقبت اندیش لوگوں نے زکوٰۃ بند کر کے معیار زندگی بڑھانا شروع کر دیا
اچھا سے اچھا کھانا عمدہ سے عمدہ لباس بلند اور عالیشان مکانات میز کرسیاں
کوچ پردے - قالین کم از کم چینی کے ورنہ چاندی کے ظروف ریڈیو ریکارڈ گانا
باجہ سگریٹ چائے پان پھر اس پر آرزو کہ بینک میں دس بیس ہزار روپے
جمع ہو جائیں - اخراجات تو اپنے قبضہ میں تھے بڑھ گئے لیکن آمدنی کیونکر بڑھے
یہ تو اپنے قبضہ کی بات نہیں - نوکری میں تنخواہیں معین - تجارت میں منفعت
مزدوری میں اجرت معین - ان چیزوں میں اپنی مرضی کے مطابق اضافہ ممکن نہیں
اور اگر ہو بھی جائے تو دو چار روپے ہوگا اور بھوک لاکھوں کی ہے تو ناچار دوسری
طرف ہاتھ بڑھانا پڑا - خدمت خلق - رحم و کرم - دوسروں کی تکلیف کا
احساس رخصت ہوئے اور دیگر اوصاف جو ساری انسانیت کا دفتر لپیٹ کر طاق
پر رکھا - اور خونخوار درندے کی شکل میں خلق اللہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے
اور لوٹ کا بازار گرم کر دیا اور پیسہ وصول کرنے کی جتنی چالیں ممکن تھیں
ختم کر دیں - تاجروں نے دھوکا دہی - آمیزش - ڈنڈی مارنا - گراں فروشی
شروع کر دی - مزدوروں نے مزدوری بڑھائی اور کام میں تساہلی اور وقت گزاری
شعار بنایا - اور جس کے پاس نہ تجارت تھی نہ صنعت نہ نوکری تھی نہ مزدوری اس
نے چوری اور راہزنی شروع کی - رفتہ رفتہ دنیا سے اطمینان و سکون رخصت ہو گیا -
انسانیت و ہمدردی ختم ہو گئی - بازار سے اصلی چیزیں مفقود ہو گئیں - سرمایہ تیزی
سے چند لوگوں کے گھر میں داخل ہو گیا - اور فقیری و ناداری عام ہوتی گئی

اور دین و ایمان ~~[illegible]~~ رخصت ہو گیا۔ اگر انسان جیو اور جینے دو کے اصول
پر گامزن ہو تو قدرت کے بچھائے ہوئے اسی دستر خوان سے جس کا نام زمین
ہے ساری خلقت سیر ہو کر کھا سکتی اور جی سکتی ہے انسان کا آزوقہ
پانی اور ہوا کی طرح فراوان اور ہر گلی کوچے میں پڑا نہیں ہوتا کہ جب بھوک
لگی جاکر اٹھا لاؤ۔ بلکہ اس کے حاصل کرنے میں بڑی جانفشانیاں بڑی زحمتیں
اٹھانا پڑتی ہیں پھر بھی حسب دلخواہ نہیں ملتا اور یہ بھی خدا کے وجود کی ایک
عظیم الشان دلیل ہے کہ انسان ایسی طاقتور اور صاحب عقل و شعور مخلوق ہوتے
ہوئے بھی اپنی روزی پر اختیار نہیں رکھتا۔ دولت و تونگری کیلئے سر مار کر
رہ جاتا ہے لیکن دل کی حسرت دل ہی میں لئے گوشہ قبر میں پہونچ جاتا ہے اور
جس کے پاس آتی ہے سیل کی طرح آتی ہے غرض یہ کہ انسان کی روزی ایک
مقدار معین میں پائی جاتی ہے۔ اور جب ایک کے قبضہ سے نکلتی ہے تو دوسرے
کے قبضہ میں پہونچتی ہے۔ دنیا کا ہر انسان دنیا کی سولہ آنہ دولت کا مالک
نہیں ہو سکتا جب دولت دو آدمیوں پر تقسیم ہوگی تو آٹھ آٹھ آنہ فی حصہ پہونچے
گی۔ اور جب چار حصوں پر تقسیم ہوگی تو چار چار آنہ اور جب آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگی
تو دو دو آنہ پہونچے گی پھر بھی کوشش کو بھی حصوں کی کمی اور زیادتی
میں دخل ہوتا ہے ایک ہوشیار و چالاک انسان زیادہ کما لیتا ہے اور ایک
ایک کم عقل و کم ہمت دال روٹی بھی مشکل سے حاصل کرتا ہے پس اگر انسان
جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل کرے اور رواداری کو راہ دے تو اسکو

(دنیا کا ہر انسان دنیا کی سولہ آنہ دولت کا مالک نہیں ہو سکتا)

اپنے حصہ پر صبر کرنا ہی پڑے گا اور اتنی ہی میں بسر کرنا ہوگی اور اسی کا نام قناعت
ہے لیکن اگر کوئی چالاک و طاقتور انسان سوائے اس کے کہ دولت دنیا پر قبضہ
کرنا چاہے تو باقی کل انسانوں کو اس کے حصہ سے محروم کرنا پڑے گا اور انسانیت
و رحم و کرم و دین و مذہب سے ہاتھ دھونا ہوگا اور آج ساری دنیا کا یہی
نظریہ ہے سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت سب کا یہی مقصد ہے۔ سرمایہ دار مکر و
فریب سے دنیا کی دولت سمیٹ رہے ہیں اور اشتراکی قتل و غارت سے چنانچہ امریکہ
والے امریکہ کی زمین سے کھا رہے ہیں اور روس والے روس کی زمین سے یہ عراق و ایران
کے تیل کے چشموں اور ہندوستان و جاپان کی دولت پر نظر عنایت کیوں ہے
اور چین کس حق سے تبت اور لداخ و کشمیر پر قبضہ کر رہا ہے۔ لیکن دین
اسلام اور پیغمبر اسلام کا ہرگز یہ نظریہ نہ تھا چنانچہ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے
خود مسلمانوں پر چڑھائی کی اور جنگ کی۔ پیغمبر اسلام نے کسی کے ملک و مال پر
قبضہ نہیں کیا کسی کی حکومت نہیں چھینی بلکہ حضرت نے صرف اسلام کا پیغام
پہنچا دیا جس نے مانا مانا اور جس نے نہیں مانا حضرت نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا
اور چند ملوک عالم کے نام حضرت نے جو خطوط تحریر فرمائے ہیں ان میں بھی صاف صاف
تحریر فرمایا ہے کہ اسلام قبول کرو ہم کو تمہاری حکومت و دولت سے کوئی
سروکار نہیں ہے اس مضمون کو میں نے اپنے رسالہ مناہج العرفان میں کچھ تفصیل
سے لکھا ہے۔ آج جو لوگ دنیا کی اصطلاح میں بھوکے مزدور کہے جاتے ہیں ان کو
کیا کہا جائے وہ زبان سے تو یہی کہتے ہیں کہ ہم کو کھانے کو دیا جائے ہم زندگی

(سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کا مقصد ایک ہے)

چاہتے ہیں لیکن ان کی کوششیں انکے ارادے انکا طریقہ عمل ان کے دعووں
کی تکذیب کرتا ہے - انکی واقعی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ انہیں سرمایہ داروں
کی جگہ پر بیٹھ جائیں جنکو وہ بری نگاہ سے دیکھتے اور جن کے دشمن ہوتے ہیں
یہ سرمایہ داروں کو اسلئے برا نہیں کہتے کہ وہ بے رحم اور گنہگار ہیں بلکہ اسلئے برا
کہتے ہیں کہ سرمایہ اور دولت کی گدی پر وہ کیوں بیٹھے ہیں ہم کیوں نہیں بیٹھے
بھوک اور مزدور وغیرہ جیسے الفاظ سے دولت کے شکار میں کنجی کا کام لیا
جا رہا ہے دنیا میں جدھر سنئے انقلاب انقلاب کی آوازیں بلند اور قتل و غارت
و فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ حکومتیں ظلم و
استبداد سے بری ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ سرمایہ داری اچھی چیز ہے میں یہ
نہیں کہتا کہ دنیا میں فقر و فاقہ کش نہیں ہیں میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے
نہ تو سرمایہ داری میں اعتدال نظر آرہا ہے نہ انقلابیوں کے طریقہ عمل میں اعتدال
نظر آرہا ہے اگر سرمایہ دار مکر و فریب ظلم و جور سے تمام دنیا کی دولت سمیٹ
کر اپنے گھر میں بند کر لینا چاہتا ہے تو دنیا اس سے اس کی سولہ آنہ دولت ~~سجدے~~ بزور
شمشیر چھین لینا چاہتی ہے نتیجہ یہ کہ جو درحقیقت فقیر ہیں جو واقعاً بھوکے ہیں
انکا تو پوچھنے والا دنیا میں کوئی نہیں انکی آواز میں کوئی طاقت نہیں
انہیں تو بھیک تک نہیں ملتی نہ انہیں سرمایہ دار ایک پیسہ دیتا ہے
نہ کوئی مزدور - ملوں سے کارخانوں سے دفتروں سے چھوٹنے کے بعد
یہی بھوکے لوگ ہوٹلوں میں پان کی دوکانوں پر جمع ہوتے ہیں انڈا کیک

(تیغ بھوک اور مزدور جیسے الفاظ سے دولت کے شکار میں کنجی کا کام لیا جا رہا ہے)

چاہئے یہاں سگریٹ اڑاتے ہیں اور کسی اپنی اپنی ناداری و پریشانی کا
گیت گاتے ہیں سرمایہ داروں کو برا کہتے ہیں لیکن اگر کوئی فقیر آ کر کھڑا ہو جاتا
ہے اور کہتا ہے کہ اگر خدا کی راہ میں ایک پیسہ مانگتا ہے تو جھڑک کر بھگا دیتے
ہیں اور یہی بھوکے لوگ اگر کبھی مقدر سے حکومت کی گدی پر براجمان ہوئے
ہیں تو انسانیت و عیت خلق کا سبق بھلا کر دولت سے اسطرح چمٹتے ہیں
جیسے کوئی بچھڑا عاشق اپنے معشوق سے ملتا ہے اور سرمایہ داری کی اعلیٰ
مثال قائم کر دیتے ہیں۔ اسلئے دنیا میں بھوک کا کوئی معیار نہیں ہے
جو پیٹ بھر کھاتا ہے وہ بھی بھوکا ضرور ہے جو میز کرسیاں سائیکل ریڈیو
رکھتا ہے وہ بھی بھوکا ضرور ہے جو موٹر رکھتا ہے وہ بھی بھوکا ضرور
ہے اور جو کوٹھیوں پر کوٹھیاں بناتا ہے وہ بھی بھوکا ضرور ہے غرض یہ کہ
جسے دیکھیے وہ اپنے آپ کو بھوکا ضرور بتاتا ہے۔ اب ذرا اس کے دوسرے
رخ پر نگاہ کیجئے تو ہر کم آمدنی والا انسان اپنے سے زیادہ آمدنی والے کو
سرمایہ دار کہتا ہے پچاس روپئے آمدنی والا سو روپیہ آمدنی والے کو سو روپئے
والا دو سو روپئے آمدنی والے کو دو سو والا پانچسو روپئے والے کو
سرمایہ دار کہتا ہے اور اسے تنگ نگاہوں سے گھورتا ہے کیونکہ وہ سرمایہ دار
ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان اپنی زبان سے بھوکا
مزدور اور دوسروں کی زبان سے سرمایہ دار ہے اور ہر انسان دوسروں کی
جان و مال و عزت و آبرو کا دشمن ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے

کہ آج یہ سارے انقلابات و فتنہ و فساد صرف ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو زندگی
کے بھوکے نہیں بلکہ حرص و محبت دنیا کے بھوکے ہیں جو دین و ایمان
و انسانیت و ہمدردی رحم و کرم سب سے خالی ہیں جو حکومت و مذہب کے
تمام قیود حلال و حرام سے آزاد ہو کر دنیا میں عیش و عشرت کا بازار گرم
کرنا چاہتے ہیں جو ساری دنیا کی دولت اور تمام انسانوں کی بہو بیٹیوں کو
اپنی عیاشیوں کا آلہ کار بنانا چاہتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہ انقلابی لوگ
اگر ایک وار سرمایہ دار پر کرتے ہیں تو دو وار خدا اور مذہب پر کرتے ہیں
ورنہ بھلا بھوک سے اور خدا کے نام اور عبادتگاہوں سے کیا مطلب بھوک
سے اور محمد ﷺ کی پیروی سے کیا مناسبت بھوک سے اور حسین مظلوم کے
روضہ مطہر سے کیا مطلب ابھی چند روز ہوئے کہ دس بھوکے حضرت کے
حرم کو بم سے اڑانے گئے تھے جو گرفتار کر لئے گئے دیکھئے اکتوبر ۱۹۵۹ء کا اخبار
سرفراز۔ لیکن مذہب سے دشمنی کا اصل راز یہ ہے کہ ظلم و جور فتنہ
و فساد و گناہ سے روکنے کی سب سے مضبوط چار دیواری مذہبی پابندیاں
ہیں اسکے بعد فطری رحم و کرم اور غیرت و شرم لیکن فطرت کا گمراہ کر لینا
تو اپنے اختیار کی بات ہے رہا مذہب تو اسکے لئے سب سے پہلے خدا
کے نام کا مٹانا ضروری ہے جن لوگوں نے دنیا کے وجود کو صرف ایک
نیچر نگاہ ڈالی ہے اور خلقت کائنات کا مقصد صرف چند روزہ لذائذ
دنیا کو سمجھ رکھا ہے اور ترتیب روح و حیات آخرت ان کے نزدیک کچھ

بے معنی الفاظ ہیں یا جنہوں نے سچے مذہب کی شکل ہی نہیں دیکھی صحیح تعلیمات
سے آشنا ہی نہیں ہوئے انکے نزدیک مذہب چند توہمات کے مجموعہ سے زیادہ
حقیقت نہیں رکھتا اور مذہبی پابندیاں قید دوام کی مترادف ہیں مذہب
ناجائز خواہشات نفس کی بڑھتی پھیلتی ہوئی شاخوں کیلئے قینچی ہے
رشوت لیکر جس طرح دولت بڑھ سکتی ہے دینے میں کہاں بڑھ سکتی ہے زنا کرنے
میں جو لذت ہے وہ حلال عورتوں کا پابند ہوکر رہنے میں کہاں ہے۔ قتل وغارت ظلم وجور
سے جو رعب و ہیبت قائم ہوسکتی ہے وہ مسکین و بے آزار بن کر رہنے میں کہاں ہوسکتی
ہے لہذا یہ لوگ لذات دنیا کو مذہب کے اوامر و نواہی پر کہاں قربان
کر سکتے ہیں رہیکے وہ مذہب اور خدا کے نام کو مٹا دینا اپنا اولین فریضہ خیال
کرتے ہیں لیکن جبتک اپنی کمزوریوں کا احساس رکھتے ہیں بجبر و اکراہ مذہب
کی فرد بنے رہتے ہیں لیکن ادھر انہوں نے خفیہ طریقہ پر اپنے خیالات کی نشر و اشاعت
کرکے عوام کی ایک معتدبہ جماعت کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور مددگار پیدا کر لئے
کہ ایک مرتبہ انقلاب انقلاب کا شور مچا کے قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں
خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں بازار لوٹتے گھروں میں آگ لگاتے لاشیں اکھاڑتے
شریفین لٹتے عورتوں کی عصمت دری کرتے بچوں کو قتل کرتے اور حکومت کا
تختہ الٹ دیتے ہیں علماء کو قتل کرتے عبادت گاہیں ڈھاتے الہامی کتابوں کی
توہین کرتے بعد خدا کا نام دنیا سے مٹاتے ہیں اصلاح کرنے والا دنیا میں فساد
نہیں برپا کرتا۔ ظلم کا تختہ الٹنے والا ظلم کا بازار نہیں گرم کرتا۔ اگر حکومتیں ظالم

تھیں تو انہیں مٹا کر انصاف قائم کیا جاتا اگر علماء بدکار تھے تو انہیں قتل
کرکے باعمل علماء پیدا کرتے اگر مذہب جھوٹا تھا تو اسے فنا کرکے سچا
مذہب پھیلاتے اگر باطل خداؤں کی پرستش کی جاتی تھی تو انہیں چھوڑ کر
حقیقی خدا کی پرستش رائج کی جاتی لیکن موجودہ کو مٹا کر بدتر نظام دنیا جھوٹے
مذہب کے ساتھ سچے مذہب کو فنا کرنا بے عمل علماء کے نام سے علماء
باعمل کو قتل کرنا تو بتاتا ہے کہ انقلابی جماعتیں درحقیقت خدا اور مذہب
کی دشمن ہیں اور انکا طریق عمل اسکا قوی ترین شاہد ہے مسافروں سے
بھری ہوئی ٹرین کا ڈرائیور اگر دیوانہ ہو جائے تو ڈرائیور بدل دیا جاتا ہے ٹرین
نہیں الٹ دی جاتی ہے اور ٹرین کا الٹنے والا مسافروں کا ہمدرد نہیں بلکہ ان کا
دشمن ہے مرزا محمد سعید ایم اے جو سابق معتمد محکمہ تعلیمات گورنمنٹ آف انڈیا
اپنی کتاب مذہب اور باطنی تعلیم میں لکھتے ہیں کہ اکثر انقلابی جماعتیں اپنی مخرب
کارروائیوں کو سیاست و معاشیات تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ مذہب
اور اخلاق میں بھی دست اندازی کرنا چاہتی ہیں اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی
انقلابیوں کا نصب العین صرف جمہوریت کا قیام ہی نہ تھا بلکہ وہ عیسائیت
کو منسوخ کرکے اس کی جگہ عقل انسانی کی پرستش کو بھی متمکن کرنا چاہتے
تھے بلکہ تمام ادیان و مذاہب کو بھی دنیا سے ناپید کرنے کے درپے تھے
اور لکھتے ہیں کہ تاریخ میں ایسے انقلابات کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن کا
سبب بظاہر معاش کی تنگی نہ تھا بلکہ جو اقوام انقلاب پذیر ہوئیں وہ خوشحالی

کے تمام ظاہری لوازمات پر قابض تھیں انقلاب فرانس کے اکثر معتبر معاصرین اس بات کے شاہد ہیں کہ انقلاب سے قبل فرانس میں غیر معمولی خوشحالی کا دور تھا اور ملک میں سامان خورد و نوش کی کمی نہ تھی (۱۲۵)

(انقلاب کی سیاسی و معاشی حیثیت)

آج جو اشتراکی نظام دنیا میں رائج کیا جا رہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی غلامیوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عالمگیر غلامی قائم کی جائے جس میں انسان کی قیمت ایک بیل سے زیادہ نہیں رہ جاتی جو صبح سے شام تک کھیت جوتتا ہے اور شام کو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مالک کی مرضی سے جو کچھ مل جاتا ہے اسے صبر و شکر کے ساتھ کھا لیتا ہے۔ اور کھیت کی جو عمدہ پیداوار ہے وہ مالک کیلئے ہے آخر غلامی اسی کو تو کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعتقاد و جوارح و مال و اسباب و دین و ایمان بیوی بچے اور اپنے خیالات پر خود کوئی اختیار نہ رکھتا ہو سر سے پاؤں تک وہ دوسروں کے ارادہ اور حکم کا تابع ہو مسٹر وائیکونٹ سموئیل اپنی کتاب بلیف اینڈ ایکشن کے باب افلاس اور تونگری میں لکھتے ہیں کہ روس میں انسانی آبادی کا تقریباً ۱/۲ حصہ خشکی کے تقریباً ۱/۴ حصہ پر قابض ہے ان کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ فوری طور پر ایک معاشی انقلاب کا ساتھ دیں اور قوت اور استبداد سے وہ مجبور ہو رہے ہیں ان کو ایک ایسے نظام کا پابند بنایا جا رہا ہے جو منطق کے زور سے بنایا گیا ہے اور بے رحمی کی قوت سے چلایا جا رہا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ

نام تو ہے اشتمالیت لیکن حقیقتاً یہ ایک ایسی اشتراکی مملکت ہے جس میں اشتمالیت
کے چند اجزا مخلوط کر دیے گئے ہیں تمام ذرائع پیداوار اور اکثر زمینیں عملاً اشتراکی
بنائی جا چکی ہیں۔ طبقہ واری، عدم مساوات اگرچہ بالکل ختم تو نہیں ہو گئی ہے مگر
بڑی حد تک کم ضرور ہو گئی ہے۔ عمال کیلئے ضروریات زندگی مہیا کرنے کی ضمانت
ہے اور غیر عمال کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ پیٹر ہس باب کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ یاد رکھو
کہ ہر وہ طریقہ کار جو انقلابی انداز میں ایکا ایک اور فوری طور پر اختیار
کیا جائیگا وہ جتنی نا انصافیوں کا علاج کریگا اس سے کہیں زیادہ نا انصافیاں
پیدا کر دے گا۔ روسی انقلاب پر نظر ڈالو اس انقلاب نے کتنی بے رحمیاں
اور خون کی کیسی ندیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس انقلاب نے نہ صرف لاکھوں
انسانوں کو مادی ذرائع سے محروم و تباہ کر دیا بلکہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ
تعداد ان انسانوں کی ہے جو جبری محنت، قید، جلاوطنی یا موت کے سپرد
کر دیے گئے۔ فارغ البال خاندانوں کو ازخود ختم کر دینے کے فیصلے نے تقریباً دس لاکھ
خاندانوں کو ویران اور لاکھوں عورتوں بچوں مردوں کو تباہی و بربادی میں مبتلا کر دیا۔ انتہی۔
خلاصہ یہ ہے کہ آج دنیا ایک عام اضطراب و انتشار کے دور سے گزر رہی ہے جس کی
اصلاح کی مختلف تدبیریں سوچی جا رہی ہیں تجربے کئے جا رہے ہیں لیکن یاد رہے
کہ بغیر قرآنی قانون کے دنیا کی مشکلات کا حل نکل نہیں سکتا قرآن مجید نے انسان
کی تمام مشکلات کیلئے جو راہ نجات بتائی ہے اس کے معلومات کیلئے جو حضرات
عربی و فارسی کتابیں پڑھنے سے معذور ہیں وہ علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ [illegible]

مقالہ کی کتاب (اسلام کا معاشی نظام) ضرور ملاحظہ فرمائیں ضرورت ہے کہ
عمدہ کتابت و طباعت کے بعد اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔
کتاب بہت خوب ہے فجزاہ اللہ خیرا۔ لیکن عام فائدے کی غرض سے معاشیات
اسلام پر مختصر روشنی ڈال دینا میں بھی مناسب سمجھتا ہوں سب سے اہم ترین امر
جس کے بغیر معاشیات کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا وہ سلاطین اور حکام کی میانہ
روی ہے۔ جب تک حکام صحیح معنوں میں قوم و ملک کی ہمدردی و خیر خواہی
کا جذبہ اپنے دل میں پیدا نہ کریں گے اور شان و شوکت و عیش و آرام و نفس
پرستی و تن پروری کے خیالات سے اپنے دل و دماغ کو پاک نہ کریں گے دنیا
کبھی آسودہ نہیں ہو سکتی۔ حکماء کا قول ہے کہ بادشاہ وقت اگر ایک دانہ انار ناانصافی
و ظلم سے کھائے تو اس کے فوجی ہزار مرغ کباب بنا کر کھا جائیں گے۔ اور زیادہ
کی تمنا ہی دنیا کی تباہی و بربادی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ اسلام نے بادشاہوں
اور حکام کی حرص و محبت دنیا کی بڑی سختی سے مذمت کی ہے۔

اسلام میں بادشاہ کے فرائض) حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف
سے عثمان بن حنیف انصاری بصرہ کے حاکم تھے ایک مرتبہ حضرت کو خبر ملی کہ
بصرہ کے کسی شخص نے ان کو دعوت ولیمہ میں مدعو کیا چنانچہ انہوں نے شرکت
کی اور کھانا کھایا اس کی خبر جب حضرت کو ملی تو آپ نے تحریر فرمایا کہ بعد حمد
پروردگار و نعت پیغمبر اسلام اے ابن حنیف مجھے خبر ملی ہے کہ بصرہ کے
نوجوانوں میں سے کسی نے تم کو کھانے پر مدعو کیا تم بہت تیزی سے گئے وہاں پہنچے

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور بڑے بڑے پیالے تمہارے پاس لائے جاتے تھے
میں گمان نہیں کرتا تھا کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جن کا محتاج و فقیر
تو دعوت سے محروم رکھے جاتے ہوں اور دولتمند بلائے جاتے ہوں۔ آگاہ ہو جاؤ
کہ ہر ماموم کا ایک امام ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نور علم سے
وہ روشنی حاصل کرتا ہے۔ اپنے امام کو دیکھو کہ انہوں نے اپنی دنیا سے صرف
دو پرانے کپڑے اور دو روٹیوں پر اکتفا کی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم
میں نے تمہاری دنیا سے سونا جمع نہیں کیا اور دنیا کے غنائم میں سے مال
و دولت خزانہ نہیں کیا۔ میں نے دو پرانے کپڑوں کے علاوہ کوئی نیا کپڑا
فراہم نہیں کیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو مصفی شہد اور خالص گندم
اور ریشمی کپڑوں تک رسائی حاصل کر سکتا تھا لیکن افسوس کا مقام ہوگا
کہ میری خواہشات نفسانیہ مجھے مغلوب کر لیں اور حرص مجھے عمدہ کھانوں کا فریفتہ
کر دے۔ درانحالیکہ شاید حجاز و یمامہ میں ایسے بھوکے موجود ہوں جن کو ایک
روٹی کی بھی امید نہ ہو اور انہیں یہ بھی یاد نہ ہو کہ پیٹ بھر کھانا
کسے کہتے ہیں۔ کیا میں پیٹ بھر کر کھا کر سو جاؤں اور میرے ارد گرد بھوکے پیٹ اور
تشنہ جگر پڑے ہوں۔ اور کیا میں شاعر کے اس شعر کا مصداق بن جاؤں۔ تیرے لئے

عہ۔ حجاز و شام و عراق و مصر و یمن و بحرین وغیرہ بلکہ سندھ کے لوگ بھی حضرت
علیؑ کے زیر اقتدار تھے اگر حضرت چاہتے تو شاہانہ شان و شوکت کا حاصل کرنا
کیا مشکل بات تھی۔

یہی بس ہے کہ تو پیٹ بھر کر رات کو سوئے اور تیرے گرد وپیش ایسے جگر وجود
ہوں جو ایک ٹکڑے کیلئے ترس رہے ہوں۔ کیا میں اپنے نفس کیلئے بس اتنی
سی بات پر قناعت کرلوں کہ میں امیر المومنین کہا جاؤں اور میں رعیت کے
مفلوک الحال لوگوں کا مکروہات زمانہ میں شریک اور ان کی زندگی میں ان کا شریک
نہ ہوں۔ میں اس لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں کہ مجھے لذیذ کھانے اپنی طرف مائل کرلیں
اس بندھے ہوئے چوپائے کی طرح جو ہمیشہ چارے کی فکر میں پڑا رہتا ہے یا اس
آزاد جانور کی طرح جس کا شغل گھاس چرنا ہے (نہج البلاغہ جلد ۲) واضح ہو کہ
کہ حضرت رسول خدا۳ اور حضرت امیر المومنین۴ مثل غلاموں کے زمین پر بیٹھ کر
کھانا نوش فرماتے تھے اور ان کے مکانات خام تھے بہت تنگ اور چھوٹے
تھے جنہیں دروازے بھی نہیں تھے۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ ان لوگوں نے
کبھی سر پر تاج نہیں رکھا۔ اور کبھی شاہانہ شان و شوکت سے آشنا نہیں ہوئے بلکہ
لوگوں کو اپنی شاہانہ تعلیم سے بھی روکتے تھے۔ خود فاقہ کرتے اور اپنے سامنے کا کھانا
فقیروں اور مسکینوں کو کھلا دیتے تھے۔ دونوں جہان کی شہزادیاں یعنی دختر رسول خدا
اور امیر المومنین کی بیٹیاں اپنے گھر کے کام خود کرتیں چکی چلاتیں۔ کھانا
پکاتیں۔ جھاڑو دیتیں۔ حضرت امیر المومنینؑ اپنی پشت مبارک پر روٹیاں بار
کرکے راتوں کو بیواؤں اور یتیموں کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ یہ ہے شہنشاہ اسلام
کی زندگی کا مختصر خاکہ۔ آج دنیا میں ہمدردی خلق اور مساوات کا ڈھول پیٹنے
والے لیڈران اصولوں پر عمل کرکے دکھائیں تو معلوم ہو کہ وہ انسانوں کے صحیح ہمدرد ہیں

(فساد وعیش و عشرت اور بداعمالیوں کا برا انجام) ارشاد پروردگار ہے کہ فلولا
کان من القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلا
ممن انجینا منھم۔ واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ وکانوا مجرمین ۝ وما کان
ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون ۝ (پارہ ۱۲ ھود) یعنی جو لوگ تم سے
قبل گذر چکے ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے کہ لوگوں کو فساد سے روکتے
(ہاں ایسے لوگ تھے تو) مگر بہت کم جنکو ہم نے عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں
نے نافرمانی کی تھی وہ انہیں لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھیں
اور یہی لوگ مجرم تھے اور تمہارا پروردگار ظالم نہیں ہے کہ بستیوں کو بے سبب
برباد کرے اور وہاں کے لوگ نیک اعمال ہوں۔ یہ تو خدا نے گذشتہ امتوں
کیلئے فرمایا ہے لیکن آج بھی دنیا اسی فتنہ و فساد اور لذتوں میں حد سے
تجاوز کرچکی ہے لیکن خدا کا عذاب بھی نزدیک آچکا ہے
(انسان کیلئے عام قوانین معیشت) گداگری کی مذمت۔ قال رسول اللہ۳ من سئل
الناس اموالھم تکثرا فانما ھی جمرۃ فلیستقل او لیستکثر (جامع الاخبار) یعنی حضرت
رسول اللہ۳ نے فرمایا کہ جو شخص دولت بڑھانے کیلئے لوگوں سے ان کا مال طلب کرے
(تو سمجھ لے کہ) یہ ایک انگارہ ہے پس اس میں چاہے کمی کرے یا زیادتی
کرے۔ غرض یہ کہ گداگری بڑی بری چیز ہے اس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں ہیں
(اسلام میں سوال نہ کرنے والے فقیروں کا مرتبہ) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے
کہ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاہل

اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لا یسئلون الناس الحافا ہ سورہ بقر پارہ ۳) یعنی یہ خیرات
ان فقیروں کا حق ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور اگر روئے زمین پر کہیں جانا چاہیں تو
جا نہیں سکتے نا واقف لوگ سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں خوشحال سمجھتے ہیں لیکن تم ان
کی صورت سے تاڑ جاؤ گے اگرچہ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اس آیت
سے معلوم ہوا کہ وہی فقیر خدا کی نگاہ میں قابل مدح ہے جو روزی حاصل کرنے
سے مجبور ہو لیکن پھر بھی کسی سے سوال نہ کرے۔ اور ایسے ہی فقیروں کے متعلق
حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فقرا جنت کے بادشاہ ہوں گے لوگ جنت
کے مشتاق ہوتے ہیں اور جنت فقیروں کی مشتاق ہے نیز حضرت نے فرمایا کہ جو
شخص فقیر اور محتاج ہو لیکن لوگوں سے اپنے فقر کو چھپائے اور خدا سے سوال کرے
تو خدا پر لازم ہے کہ اس کو سال بھر کی روزی حلال سے عطا فرمائے۔ غرض یہ کہ
جو فقیر اپنی فقیری پر صبر کرے یعنی تنگ آکر فعل حرام نہ کرے اور نا دکان گدائی سے پرہیز
کرے اس کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بلند ہے واضح رہے کہ فقیری خدا کا سخت ترین امتحان
ہے اس میں کامیاب ہونے والا کامیاب دنیا و آخرت ہے۔

(حلال روزی حاصل کرنے کا حکم)

ارشاد پروردگار ہے کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم پارہ ۱۸ مومنون)
یعنی حلال روزی کھاؤ اور نیک کام کرو تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں اور حضرت رسول اللہ
فرماتے ہیں کہ طلب الحلال فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ (جامع الاخبار) یعنی حلال روزی حاصل کرنا
ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے اور اسی طرح سے قرآن مجید کی آیتوں اور بے شمار حدیثوں

مثلاً تجارت و زراعت و صنعت و مزدوری وغیرہ کرتے یعنی حلال روزی حاصل کرنے کی
شدید تاکید اور کسب معاش کے بے مضرت اور پاکیزہ اصول و قواعد بیان کیے
گئے ہیں جس سے کتب خانے بھرے ہیں
خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے پہلے تو ہر شخص کو اپنے قوت بازو سے کما کر کھانے
کا حکم دیا ہے اور اپنی آمدنی اور حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کو گناہ قرار دیا ہے
اور جن لوگوں کی آمدنی ان کے واجبی اخراجات سے کم ہو انکو صبر و قناعت
کا حکم دیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر آمدنی قلیل ہو تو اسی میں بسر کرتے رہو۔ اور
وسعت رزق کیلئے فکر و تدبیر کرتے رہو اور خدا سے مانگو خدا وسعت دیگا۔
اور یاد رہے کہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اسکو ضرور دیتا ہے۔ ایمان
کمزور نہ ہونے پائے۔ ان سب کے بعد رئیس و فقیر سب کیلئے سادہ
زندگی اور تواضع و فروتنی کا ایک عام حکم دیا ہے۔ اور وہ لوگ جو
کسب معاش سے بالکل معذور ہوں یا جنکی آمدنی انکے واجبی اخراجات
کیلئے کافی نہ ہوتی ہو اور دیگر رفاہ عام کیلئے خدا نے سرمایہ داروں کے
مال میں واجب حقوق رکھے ہیں جن کے ادا نہ کرنے والوں کا انجام دنیا میں
یہ ہے کہ خدا انکی دولت پر ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے جو ساری دولت لے
جاتے ہیں۔ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی مال خشکی یا تری میں ضائع
نہیں ہوتا جب تک کہ خمس و زکوٰۃ نہ روکی جائے اور آخرت میں عذاب
الیم ہے۔

بخل کی مذمت اور انجام) خداوند عالم فرماتا ہے کہ الذین یکنزون الذهب والفضة ولا
ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم
وجنوبهم وظهورهم هذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۰ یعنی جو لوگ سونا چاندی
جمع کرتے ہیں اور اسکو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اے رسول انکو دردناک عذاب
کی خوشخبری سنا دو جس دن میں وہ سونا اور چاندی جہنم کی آگ میں تپائی
جائے گی اور اس سے انکی پیشانیاں اور پہلو اور پشتیں داغی جائینگی
اور کہا جائیگا کہ یہ وہ دولت ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کی تھی تو اب اپنے
جمع کرنے کا مزا چکھو (سورہ توبہ پارہ ۱۰) اور سورہ ہمزہ میں ارشاد فرماتا
ہے کہ ویل لکل همزة لمزة ۰ الذی جمع مالا وعدده ۰ یحسب ان ماله اخلده ۰
کلا لینبذن فی الحطمة ۰ وما ادراک ما الحطمة ۰ نار الله الموقدة التی
تطلع علی الافئدة ۰ انها علیهم مؤصدة ۰ فی عمد ممددة ۰ یعنی ہر طعنہ
دینے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال کو جمع کرتا ہے اور گن گن کر
رکھتا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسکو ہمیشہ زندہ رکھے گا
ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائیگا تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے خدا
کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو تلوے سے لگی تو دلوں تک چڑھ جائیگی
یہ لوگ بڑے لمبے لمبے آگ کے ستونوں میں ڈال کر بند کر دیے جائینگے پارہ ۳۰)
قرآن حضر سرمایہ داری کے خلاف ہے) ارشاد ہے کہ ما افاء الله علی رسوله
من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل

کی لا تکون دولة بین الاغنیاء منکم (پارہ ۲۸ سورہ حشر) یعنی جو مال خدا نے
اپنے رسول کو دیہات والوں سے بے لڑے دلوا دیا ہے وہ خالص خدا اور رسول
اور رسول کے قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کیلئے ہے
تاکہ دولت پھر پھر کر دولتمندوں کے پاس نہ رہ جائے۔ خداوند عالم نے سرمایہ
داروں کے مال میں زکوۃ و خمس واجب کیا ہے
زکوۃ) سونا چاندی کے سکوں میں شرائط کے پائے جانے کے بعد چالیسواں
حصہ نکالنا واجب ہے۔ حیوانات میں جب شرائط پائے جائیں تو چالیسواں
نکالنا واجب ہے۔ غلوں میں جب جب شرائط پائے جائیں تو دسواں
یا بیسواں واجب ہے
خمس- خمس مال کے پانچویں حصہ کو کہتے ہیں شرائط کے پائے جانے کے بعد جسکا نکالنا
واجب ہے۔ خمس سات چیزوں میں واجب ہے ۱ مال جنگ سے جو مال کہ بشرطے
شرط اسکے کہ جنگ بحکم امام ہو۔ ۲ جو چیز کان سے نکالی جائیں ۳
جو خزانہ زمین سے برآمد ہو ۴ جو چیزیں دریا سے غوطہ لگا کر نکالی جائیں۔
۵ وہ حلال مال جو حرام مال میں ملجائے نمبر ۶ وہ زمین جو ذمی مسلمان سے
خریدے ۷ ہر وہ آمدنی جو تجارت و زراعت و صنعت۔ حملی شکار مزدوری
وغیرہ سے حاصل کیا جائے سال بھر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس میں خمس
نکالنا واجب ہے۔
زکوۃ کے مستحق فقراء و مساکین- محصول کرنے والے- مؤلفۃ القلوب-

جن غلاموں پر مالک سختی کرتے ہیں انکو خرید کر آزاد کرنا۔ نادار قرضداروں کا قرض ادا کرنا
مدرسہ۔ مسجد۔ پل۔ کاروان سرا۔ نہر۔ تالاب۔ کنواں وغیرہ بنوانا۔ اور ان
مسافروں کی مدد کرنا جنکا خرچ سفر میں کم پڑ گیا ہو۔

خمس کے مستحق) نصف مال خدا و رسول و امام زمانہ کا حق ہے جو زمانہ غیبت میں
مجتہد جامع الشرائط کے پاس پہونچا دینا چاہئے اور نصف سادات فقرا و مساکین و یتیم
و اسیر جو محتاج ہوں انکو دینا چاہئے۔ مومنین خمس و زکوۃ وغیرہ کے مسائل کو فقہ
کی کتابوں میں دیکھیں یا علما سے پوچھیں اور آتش جہنم سے اپنی گلو خلاصی کریں
ورنہ سزا بڑی سخت ہے۔

مستحب صدقات) واجبات کے بعد مستحب صدقات و خیرات و اوقاف وغیرہ کا بڑا
ثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس سے خدا کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں
بدلہ بھی ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ جبتک خمس و زکوۃ نہ روکی جائے انسان
کا کوئی مال خشکی و تری میں ضائع نہیں ہو سکتا ہے لیکن خمس و زکوۃ روکنے
والے کبھی آفتوں سے بچ نہیں سکتے چنانچہ دیکھئے کس طرح کی بیماری
دولتوں پر آفتیں آئی ہوئی ہیں۔ ان حقوق واجبہ کے ادا کرنے کے بعد
جو مال بچ جاتا ہے وہ مالک کا ہے اور اسکے لئے حلال و طیب و طاہر
ہے۔ تاکہ محنت کر کے کمانے والوں اور مفت خوروں کا فرق بھی
باقی رہے۔ جو ہر ذی حیات کا فطری حق ہے۔ اگر اس اصول پر دنیا عمل
کرتی تو ایک مفید نظریہ تھا مگر دنیا کو کمیونزم کا حشر دیکھنا پڑتا لیکن ایک

طرف لالچ کی زیادتی اور دوسری طرف حقوق خدا ادا نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے جو ہم
دیکھ رہے ہیں۔ فرض کیجئے کہ پاکستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں اگر ہر بالغ و عاقل
ہر مسلمان اوسطاً دو روپئے بھی حقوق خدا کا نکال دیتا تو سولہ کروڑ روپئے ہوتے
جو یہاں کے فقرا کی آباد کاری میں خرچ کئے جاتے تو میرا خیال ہے کہ پانچ سال
کے بعد واں کوئی بھیک مانگنے والا نظر نہ آتا۔ یہی مقصد دستور حیات اسلام

(قرآن کی توحید)

توحید کی دلیلوں کو جو کہ میں اس کتاب کے باب وجود خدا میں لکھ چکا ہوں
اسلئے بیان ترک کرتا ہوں۔ قرآن مجید نے انسان کو جو توحید کا درس دیا ہے
اسکے کمال و خوبی کا عوام عالم کو مجبوراً اعتراف کرنا پڑتا ہے یوں تو توحید
کے مسائل کو سلجھانے کی دیگر مذاہب نے بھی کوشش کی ہے لیکن اسکی
حیثیت ویسی ہی ہے جیسے کوئی گمکردہ راہ مسافر محض اندازہ و قیاس پر چند
قدم چلتا ہو اور پھر ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہو اور داہنے بائیں دیکھنے لگتا ہو
کوئی دعوی توحید کے ساتھ حلول کا قائل نظر آتا ہے تو کوئی تثلیث فی التوحید
کا راگ چھیڑتا ہے۔ کوئی خدا کیلئے جسم و مکان تجویز کرتا ہے تو کوئی
اسکے صفات کو زائد بر ذات بتاتا ہے۔ اگرچہ قرآن کی صحیح توحید کو
غفلت والے تو جہل کی بنا پر بہت سے مسلمان بھی نہیں جانتے لیکن اجمالی
طور پر کچھ مسائل توحید جو عام طور پر مشہور ہو چکے ہیں انہیں تو سمجھ
لینے کے بعد دوسری قوموں کے اکثر محقق گھبرا گئے چنانچہ انہوں نے اپنی کتابی

غلط توحید کو تاویلات کے ذریعہ سے اسلام کی صحیح توحید پر منطبق کرنا شروع
کر دیا۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک پرواز کی کہ کہدیا کہ اسلام نے مسائل توحید
کو یہودی مذہب سے لیا ہے۔ جو آجتک خود توحید کا صحیح معنی نہ سمجھ
سکے حالانکہ اسلام کو آئے ہوئے چودہ سو سال گذر چکے وہ اسلام کو توحید سکھا رہیں
سمجھنے کی بات ہے۔ لیکن ان کے اس دعوے سے اتنا تو ضرور ثابت ہوا
ہے کہ وہ قرآن کی توحید کے کمال کے معترف ہیں ورنہ بجائے اپنانے کے انکو تو
اسلام کی توحید پر اعتراض کرنا چاہیے تھا۔ آج دنیا میں آپ کو ایسے انسان مل سکتے ہیں
جو سرے سے خدا کے وجود ہی سے انکار کرتے ہوں۔ کیونکہ انکار کیلئے کسی
ثبوت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف نہیں کہدینا کافی ہے لیکن کوئی باہوش انسان
اسلام کی توحید پر اعتراض کرنے والا نہ ملے گا۔ زمین کو آسمان پر پہنچا دینا
آسان ہے لیکن اسلام کے مسائل توحید کو غلط ثابت کر دینا آسان نہیں ہے
مسٹر راڈویل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن نے جس طور
سے خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اس کی وحدانیت اور تمام جہان کا پروردگار
اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونے کی بیان کی ہے اسکا لحاظ کئے وہ نہایت
اعلیٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہے۔ (اعجاز التنزیل بحوالہ ترجمہ قرآن راڈویل صاحب)
اور پروفیسر مارس صاحب لکھتے ہیں کہ جس کلمۃ اللہ سے یونانی انکار کرتے
جاتے تھے اس کو اسی آواز نے دنیا میں بلند کیا اور ایسے عملی پیرایہ میں بلند
کیا جس سے بہتر ممکن نہ تھا (تنقید الکلام مسٹر امیر علی بحوالہ فلسفہ قرآن)

مارس صاحب) فلاسفہ نے بھی مسئلہ توحید پر خیال آرائیاں کی ہیں لیکن
ان دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ جیسا کہ ماہران علم پر پوشیدہ نہیں ہے لیکن
ہر علم و تہذیب و تمدن سے دور مکہ کی سرزمین پر پیدا ہونے والے اور ایک
نہایت جاہل اور وحشی گروہ کے اندر پرورش پانے والے ایک بچہ نے وہ
حقائق کے موتی بکھیر دے اور توحید کی وہ تعلیم دی جس نے دنیا کا نقشہ بدل
دیا اور یہ بات انسان کی طاقت سے باہر تھی جبتک خدا خود اپنی ہستی کو
نہ پہچنوا دے۔ (خلقت کائنات اور قرآن)
اس موضوع کو میں اپنی کتاب اسرار کائنات میں کچھ تفصیل کیا تھا استدلالی حیثیت
سے لکھ چکا ہوں جس کی اکمال میں گنجائش نہیں ہے اس امر سے دنیا
باخبر ہے کہ خلقت آسمان و زمین اور خلقت انسان کی انسانی لکھی ہوئی کوئی تاریخ
دنیا میں موجود نہیں ہے۔ کون بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی اور انسان
کیونکر خلق کیا گیا بجز فلاسفہ کی ان دور از عقل قیاس آرائیوں کے جن پر
خود ان کو بھی اطمینان نہیں ہے نہ آجتک وہ کسی ایک نقطہ خیال پر متفق
ہو سکے صرف ایک اسی امر میں کہ دنیا کا پہلا مادہ کیا تھا وہ عظیم اختلافات ہیں
کہ پڑھنے والا متحیر رہ جاتا ہے کہ کس قول کو مانے اور کس کو نہ مانے اور
آج بھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ فلاسفہ کا جو قول اس موضوع پر آج
قول آخر کی حیثیت رکھتا ہے واقعاً وہ قول آخر ہے بلکہ امید کی جاتی
ہے کہ ابھی آخر دور دنیا تک یہ فلسفہ ہزاروں کروٹیں لیگا۔ پھر ایسے اقوال

کے مقابلے میں خالق آسمان و زمین کے قول کو رد کرنا ایک دشمن عقل و ہوش کا
ہی کام ہو سکتا ہے۔ بننے والی چیز کو بنانے والے سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے
درآنحالیکہ قرآن مجید نے جو اقوال اس کے متعلق پیش کیے ہیں اکثر سابق
کتب آسمانی اور ہدایت سے فلاسفہ جدید کے اقوال اور دلیل عقل کے بالکل
مطابق ہیں جیسا کہ میں نے اسرار کائنات میں ثابت کیا ہے اور اگر کسی کو
خواہ مخواہ انکار ہی ہو تو وہ قرآن کے دعوے کو دلیل سے رد کرے صرف
غلط کہہ دینا کافی نہ ہوگا

(انجام کائنات اور قرآن)

میں اسی رسالے کی تمہید میں لکھ چکا ہوں کہ انسان بیکار نہیں پیدا کیا گیا
ہے بلکہ اس کے وجود کا ~~مقصد~~ مقصد یہ ہے کہ وہ معرفت خدا حاصل کرے اور اپنی
ہستی کو اخلاق الہیہ سے آراستہ کر کے حیات جاودان حاصل کرے ورنہ ساری
دنیا کی خلقت بے کار ہو جائے گی لہذا انسان کو مرنے کے بعد اپنے
وجود کا نتیجہ دیکھنے کیلئے زندہ رہنا ضروری ہے دلیل ع۲ ہر انسان فطرتاً
اپنے دل میں ایک خواہش بقا محسوس کرتا ہے اور فطرت کا تقاضہ غلط نہیں
ہوتا لہذا انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہوگا اس موضوع کو میں نے اسی
کتاب کے باب جنت و جہنم میں تفصیل سے لکھا ہے دلیل ع۳ انسان
اس دنیا کا آخری ارتقائی جوہر ہے اس کائنات پر مادہ کی ابتدائی
شکل سے درجہ بدرجہ نگاہ ڈالتے چلے جائیے تو سب سے بہتر و اعلیٰ مخلوق

یہی انسان نظر آئیگا لہذا معلوم ہوا کہ انسان حاصلِ کائنات اور خلاصہ روزگار ہے
پس اگر انسان مر کر ختم ہو جائے تو آسمان و زمین ثوابت و سیارے آفتاب و ماہتاب
غرض ساری دنیا کا وجود بیکار اور ان کے کروڑوں برس کی محنتوں کا نتیجہ برباد
ہو جائیگا کیونکہ ان چیزوں کے وجود اور حرکات کا نتیجہ اور خلاصہ انسان ہے [illegible]
[illegible] پس جبکہ انسان ہی فنا ہو جائیگا تو دنیا کے وجود کا کوئی
مقصد نہ رہ جائیگا۔ اور یہ بات بالکل خلاف عقل و انصاف ہے لہذا انسان
مرنے کے بعد فنا نہ ہوگا۔ اور چونکہ انسان مکانی و زمانی ہے لہذا مرنے کے
بعد بھی وہ قیود مکان و زمان سے آزاد نہ ہوگا۔ بلکہ اسکو مکان کی ضرورت
ہوگی۔ لہذا نیک کردار لوگوں کو اچھا مکان اور بدکردار لوگوں کو برا مکان
ملے گا۔ جسمیں وہ ہمیشہ رہینگے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ام حسب
الذین اجترحوا السیآت ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء مماتھم
ومحیاھم ط ساء ما یحکمون (سورہ جاثیہ پارہ ۲۵) یعنی جو لوگ برے کام کرتے
ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انکو مومنوں کے اور نیک اعمال لوگوں کے
برابر کردیں گے اور انکا جینا اور مرنا یکساں ہوگا یہ لوگ کیا برے حکم
لگاتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصالحات جنات
تجری من تحتھا الانھار ط والذین کفروا یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام
والنار مثوی لھم (سورہ محمد) خدا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے
اچھے کام کرتے رہے ضرور بہشت میں داخل کرے گا جسکے نیچے نہریں جاری

لیکن دنیا چونکہ صرف دارِ عمل ہے دارِ سزا و جزاء نہیں ہے اسلئے وہ اپنے اچھے اور
[illegible]

ہیں اور جو کافر ہیں وہ دنیا میں چین کرتے ہیں اور حیوانات کی طرح بے فکری سے کھاتے پیتے ہیں اور آخرت ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(قصص و تاریخ قرآن)

انسان اپنی دنیاوی و اخروی زندگی میں گذشتہ امتوں کے حالات اور تجربوں سے سبق لینے کا محتاج ہے اور انسانی علوم اور تجربوں میں جو ترقیاں اور وسعتیں آپ دیکھ رہے ہیں یہ کسی ایک شخص یا ایک قوم کی زحمتوں کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ابتدائے دنیا سے آج تک ہزاروں قومیں جو دنیا میں پیدا ہوئیں اور ختم ہوگئیں انہوں نے اپنے تجربوں سے انسانی علوم و فنون کو ایک ایک قدم اور ایک ایک ہاتھ آگے بڑھایا ہے۔ کہ جو ہم لوگ زندہ ہیں کھاتے ہیں یہ ہماری تحقیق کردہ غذائیں نہیں ہیں۔ بلکہ گذشتہ امتوں کے تجربے ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں اسلئے انسان مجبور ہے کہ زبانی روایات یا کتابوں کی شکل میں روایات سلف کو محفوظ کرے اور ان سے سبق لیکر اپنی زندگانی دنیا و آخرت کو خطرات و ہلاکت سے بچائے لیکن اس مقصد کیلئے ضرورت اسکی تھی کہ راوی سچائی اور دیانت کے ساتھ نقل روایت کرے اور مورخ کا قلم واقعات کو پوری کد و کاوش کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد سپرد قرطاس کرے اور انصاف کے ساتھ اس پر فلسفیانہ نگاہ کرے اور ذرہ برابر بھی شخصی و قومی، ملکی و مذہبی تعصب کو اس میں دخل نہ دے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے صحیح نتیجہ نکال سکیں ورنہ

(تواریخ عالم پر ناقدانہ نظر)

تواریخ و روایات کی حیثیت اک افسانے سے زیادہ کچھ نہ ہوگی دن دہاڑے
سر بازار ایک دیہاتی اور ایک دوکاندار میں جھگڑا ہو جاتا ہے جس شخص سے
پوچھئے جھگڑے کی ایک نئی وجہ بتاتا ہے کوئی دیہاتی کی زیادتی بتاتا ہے
تو کوئی دوکاندار کی تو پھر دس کوس دور یا سو برس پہلے کی قوموں کا تو خدا
ہی حافظ ہے غرض یہ کہ اولاً مورخ تک صحیح خبروں کے پہنچنے کی ہی کوئی
ذمہ داری نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے بعد مورخ بھی اپنے میلانات و جذبات
کے مطابق ان میں تصرف کرے پھر اس پر طرفہ مورخ کی وہ ناجائز قیاس آرائیاں
اور توجیہیں ہیں جن کا نام فلسفہ تاریخ رکھا گیا ہے جس کے متعلق مرزا محمد سعید
دہلوی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات جسے ہم فلسفہ تاریخ کہتے ہیں وہ محض مورخ کے
اپنے ذاتی اور قومی تعصبات کا ایک عالمانہ مظاہرہ ہوتا ہے۔ اگر مورخ
تعصبات سے بالاتر بھی ہو جائے تو بھی اس کا فلسفہ یک طرفہ ہونے
کے الزام سے شاذ و نادر ہی بری ہو سکتا ہے اور یہ بات ماننی پڑتی
ہے کہ فلسفہ تاریخ منطقی درایت و ثبوت سے بہت زیادہ وجدانی تخیل
و قیاس کا مرہون منت ہوتا ہے (مذاہب اور باطنی تعلیم ص۱۲) خلاصہ یہ
ہے کہ اقوام عالم کی تاریخوں و روایات پر ناقدانہ نگاہ ڈالنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ افراط و تفریط مبالغہ۔ تعصب وغیرہ سے تواریخ و روایات سلف
یہاں تک الہامی کتابیں اور شریعتیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں اور ہماری انہیں
کمزوریوں کا نتیجہ ہے کہ قومی اور اجتماعی زندگی میں ہمارا قدم آگے بڑھ کر

بھی ابھی بہت پیچھے ہے اور ہم لاکھوں برس کے انسانی تجربوں اور
راہبروں کی ہدایت سے بہت کم فائدہ اٹھا سکے۔ یہ علم شرالحیت اتنا اہم
اور مفید ہونے کے بعد بھی ہماری غفلتوں کے سبب سے ہمیشہ مردہ ہی
رہا۔ لیکن اس علم کی اہمیت و ضرورت کو سب سے پہلے ہم کو قرآن مجید
نے سمجھایا۔ عقلاء دہر کے تجربے، علوم و فنون، انبیاء اور ائمہ دین کے
تعلیمات اُنکے حالات زندگی گذشتہ امتوں کی تاریخیں جو استبداد زمانہ
اور راویوں کی غیر ذمہ دارانہ روش کی بنا پر افراط و تفریط و تحریف و تصرف سے
ضائع ہو چکی تھیں اُنکو صحت کیساتھ پیش کر کے اُنکی حفاظت کیلئے درایت
و رجال کے مضبوط اصول و قواعد کی بنیاد ڈال کر انہیں حیات ابدی بخش
دی اور علم تاریخ کو آسمان کمال پر پہنچا دیا۔ انبیاء اولوالعزم کی طرف
کفر و شرک و گناہان کبیرہ کی نسبت دیکر خلق خدا کی نگاہوں سے اُنکا
وقار کم کرنے اور اُن کے دامن عصمت پر دھبہ لگانے کی جو کوششیں
کی گئی تھیں جس سے سننے والوں کو جرأت گناہ پیدا ہوتی تھی اور جس کو عقل
انسانی قبول نہیں کرتی تھی اُنکی اصلاح کر کے اُنکے صحیح مراتب اور پاکیزہ
عمل کو دنیا کے سامنے پیش کر کے ہدایت کے طلبگاروں کیلئے چراغ
روشن کر دیا یہ ایک عقلی کلیہ ہے کہ ہر دستور اور رہنماؤں کے درست اور نادرست
ہونے کا صحیح فیصلہ اُنکے نتائج سے کیا جاتا ہے انسان کے اچھے یا برے کردار
کے درست و نادرست ہونے کا فیصلہ بجائے عقلی دلیلوں کے اگر اُن کے

عملی نتائج سے کیا جائے تو کہیں زیادہ بہتر اور موثر ہوتا ہے اور عملی نتائج کو سامنے لانے کیلئے صحیح واقعات کو بیان کرنا بہت ضروری ہے اسی بنا پر قرآن مجید نے نصیحت و عبرت کیلئے اقوام گذشتہ کے صحیح واقعات کو بہت دلچسپ اور دلنشیں عنوان سے نقل کیا ہے۔

(قصص و تاریخ قرآن کی صداقت کی دلیلیں)

قرآن مجید کے قصص و تواریخ کی صداقت کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خداوند عالم سے بڑھ کر جو کہ حی القیوم اور عالم الغائب ہے ماضی و مستقبل کے حالات سے کون باخبر ہو سکتا ہے اور قرآن مجید اسی کا کلام ہے۔

۲ یہ کہ کسی بھی واقعہ جو دنیا میں رونما ہو چکا ہے اسکی سچائی کی دلیلیں آثار و قرائن تلاش و جستجو کرنے والوں کو دنیا میں ضرور مل جاتے ہیں ورنہ دنیا سے تحقیق کا دروازہ بند ہو جائے۔ حضرت پیغمبر خدا ص نے جب پہلے پہل قرآن مجید اور اسلام کا پیغام سنایا تو مسلمانوں کو نہیں بلکہ غیر مسلم لوگوں کو سنایا تھا جو دین اسلام اور حضرت پیغمبر خدا کے موافق نہیں تھے بلکہ مخالف بھی تھے یہاں تک کہ خود حضرت کے خاندان کے لوگوں نے حضرت کی ایسی مخالفتیں کیں اور ایذائیں پہنچائیں جنکا دنیا کے سابقین کو بھی سامنا نہ کرنا پڑا۔ پس ہر صاحب عقل غور کر سکتا ہے کہ ایسے مخالفین بغیر تحقیق و جستجو کے حضرت پر کیونکر ایمان لا سکتے تھے باوجود اسکے کہ ان اسلام لانے والوں میں ہزاروں بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے جنہوں نے بہت سی آسمانی کتابیں پڑھ رکھی تھیں لیکن باوجود اسکے کہ قرآن مجید کی خبریں

ان خبروں کے خلاف تھیں جو اس زمانے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان میں ١
شہرت رکھتی تھیں [illegible] پھر بھی کسی کو قرآن مجید کی تکذیب کی جرأت نہ ہوئی
بلکہ لوگ اس کی تصدیق کرتے گئے اور ایمان لاتے رہے یہ قرآن کی صداقت
کی روشن دلیل ہے۔ اس کے بعد آجتک جستہ جستہ ویسے راز کے سربستہ
منکشف ہوتے گئے جنکی اسوقت کی دنیا کو خبر نہ تھی لیکن ان واقعات
نے ظاہر ہونے کے بعد قرآن مجید کی حرف بحرف تصدیق کی مثلاً قرآن نے
سد یاجوج و ماجوج کی خبر دی تھی جسکے متعلق بہت سی قومیں تذبذب و شبہ
میں پڑی ہوئی تھیں اور اس سد کا کسی کو پتہ نہ تھا لیکن آج یہ حقیقت
دنیا پر واضح ہوگئی اور وہ سیسہ اور لوہے کی دیوار اپنے پورے تاریخی شواہد
کے ساتھ دریائے سیاہ کے کنارے پر قفقاز کے پہاڑوں کے اندر ملگئی
جو قرآن کے اعجاز کا ایک زندہ ثبوت ہے اور اسی طرح آسمان و زمین سے متعلق قرآن
نے بہت سی خبریں دی تھیں کہ جن کی انسانی تحقیقات نے جنکی تصدیق کر دی ہے
نیز اسلئے ظہور اسلام کے وقت اگر ماقبل اسلام کی کوئی صحیح تاریخ موجود
تھی تو دنیا نے اس کو ثبوت و شاہد کے ساتھ پیش کرکے قرآن کے خلاف
کیوں احتجاج نہیں کیا اور اگر موجود نہ تھی تو پھر قرآن مجید کی خبروں کی
تکذیب کی بنا کیا ہو سکتی ہے اور کس بنا پر مخالفین اسلام اسکے اخبار و قصص
کے غلط ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا صرف اس بنا پر انکو غلط کہا جاتا ہے کہ
وہ قرآن کے قصص و تواریخ ہیں تو یہ بھی دشمن کا ایک اعتراف شکست

ہے جیسا مشہور ہے کہ اہل البیت ادری بما فی البیت۔ یعنی گھر والے گھر کے
حالات کو دوسروں سے بہتر جانتے ہیں کسی ملک یا شہر کے مشہور تاریخ کے حالات
یا غیر معمولی واقعات خود اس ملک یا شہر کے لوگ بہ نسبت دوسروں کے بہتر
جانتے ہیں بلکہ دوسروں تک خود ان کے ذریعہ سے خبر ہوتی ہے مثلاً الطائی
حاتم کی زندگی کے حالات ان کے شہر اور قوم و ملک کے لوگ سب سے زیادہ
جانتے ہیں۔ ان سے کم دوسرے ملک والے وہ بھی اس زمانے میں جبکہ وسائل
خبر رسانی چھاپہ خانے وغیرہ عام ہو جائیں۔ اور ہر غیر معمولی خبر فوراً مشہور ہو جاتی
ہے اور جلد تحریر میں آجاتی ہے لیکن جبکہ فقط زبانی روایات کا زمانہ تھا
کتابت و طباعت وغیرہ کا رواج نہ تھا اور اس ملک کی صحیح خبر دوسرے ملک
والوں تک پہونچنا بہت مشکل تھا خصوصاً مکہ اور حجاز ایسی جگہ تک جہاں
آج بھی مشکل سے انسان پہونچ سکتا ہے۔ حضرت رسول اللہؐ نے مکہ میں بیٹھے
بیٹھے - حجاز - شام - یمن - بابل - عراق - فلسطین - ایران - روم - مصر - وغیرہ
کے اہم ترین واقعات - دنیا کے حالات اقوام گذشتہ کی سرگذشت اسطرح
بیان فرمائی جیسے حضرت نے خود ان کا مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان قوموں کے
پسماندگان اور اس ملک کے علماء کو انکی سچائی کا اعتراف کرنا پڑا بلکہ
وہ پیغمبر پر ایمان لائے اور آج تک ان ممالک میں دین اسلام کی حکومت قائم
ہے پس اگر ان خبروں میں ذرہ برابر کمزوری ہوتی تو اس ملک والے فوری تکذیب
کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور راتوں رات کا پہاڑ بنا دیتے۔ کیا یہ باتیں بشری طاقت سے

بالا تر قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل یہی ہیں

(تعلیم تہذیب و اخلاق اور قرآن)

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ انسانی اخلاق کو جتنا قرآن مجید نے
اونچا کیا ہے اس کے قبل کسی مذہب یا کسی مدرسہ نے انسانیت کو اتنا
اونچا نہیں کیا بلکہ قرآن نے جس اخلاق کی انسان کو تعلیم دی ہے اس سے
زیادہ بلند اخلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے جو لوگ قرآن مجید اور دیگر
اقوام کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس اخلاق
کی قرآن نے تعلیم دی ہے دوسری قوموں کو اس کی خبر بھی نہ تھی۔ یورپ
ہو یا ایشیا و افریقہ ساری دنیا میں ایک وحشت و جہالت کا دریا موجیں مار
رہا تھا تمام خلقت توہمات و لغو و ضلالت و بے رحمی و بد اعمالی میں مبتلا تھی
آفتاب و ماہتاب ستارے آگ - پانی - مٹی - ہوا - حیوانات و نباتات
و جمادات کی پرستش کی جا رہی تھی - اگرچہ مذہب عیسوی کو قریب چھسو
سال سے زیادہ مدت گذر چکی تھی لیکن اس کا کوئی اثر دنیا پر نہ تھا - لوگ
کپڑا پہننا اور نہانا دھونا بھی نہیں جانتے تھے - عورتوں اور غلاموں کے ساتھ
نہایت درجہ وحشیانہ اور ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا - علم و کمال کی کوئی روشنی
نظر نہیں آتی تھی - غرض یہ کہ انسان نے اپنی ہستی کو نہایت درجہ ذلیل
کر رکھا تھا - قرآن نے نازل ہوتے ہی وہ انقلاب ذہنیتوں میں پیدا
کر دیا کہ جیسے کسی نے سحر کر دیا انسان انتہائی پستی و ذلت سے نکل کر

اشرف مخلوقات کی منزل پر پہنچ گیا - پاکیزہ عقائد پاکیزہ اعمال پاکیزہ
غذائیں - غرض قرآن نے ہر دولت سے انسان کو مالا مال کر دیا - حقوق خدا
حقوق والدین - حقوق ذوی الارحام - حقوق ہمسایہ - حقوق محض حقوق ناس
اس طرح سمجھائے کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی - سونے جاگنے کھانے پینے
اٹھنے بیٹھنے سفر و حضر یہاں تک کہ چھینکنے کے آداب تعلیم کئے - کلام
یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ قرآن ہے کہ اس نے انسان کی ہر حرکت و سکون
کیلئے ایسا مکمل قانون پیش کیا ہے جس سے بہتر ممکن نہیں جس کا ذکر سے اس
رسالے کا دامن کوتاہ ہے - آج قرآن بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے
اور توریت و زبور و انجیل و وید بھی جس کا جی چاہے دیکھے اور فیصلہ کرے کہ قرآن
میں اور دوسری کتابوں میں کیا فرق ہے - غسل جنابت - غسل حیض - غسل نفاس - غسل
مس میت وغیرہ بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ کس مذہب
نے بتایا - نجاسات و طہارت حرام اور حلال غذاؤں اور گناہان کبیرہ و
صغیرہ کی مکمل فہرست کس مذہب نے پیش کی - غرض یہ کہ مسلمان ہی نہیں
بلکہ اسلام نے تہذیب و اخلاق و شائستگی ساری دنیا کو سکھا دی
وہ قومیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ بھی اسلام کی پاکیزہ تعلیم
سے بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکیں - اسلام خدا کا آخری دین ہے اس سے قبل
بہت سے مذاہب دنیا میں موجود تھے - الہامی کتابیں بھی تھیں اور ان
مذاہب کو کافی تبلیغ کا موقع بھی مل چکا تھا - لیکن تہذیب و تمدن علوم و فنون

اخلاق و شائستگی میں انسان کیوں پیچھے تھا جس کی کمی نہ مٹائی جا سکی
محض اور اسلام کے آتے ہی یہ کیا ہو گیا کہ انسان ہر حیثیت سے معراج کمال پر
پہنچ گیا اور دنیا انسانی ارتقا کی آخری منزل تک پہنچ گئی وہی یہود و نصاریٰ
جو اسلام کے آنے کے بعد ترقی یافتہ اور متمدن ہو گئے دین اسلام کے قبل
کیا تھے اور کیوں گمنامی و جہالت میں پڑے تھے جیسا کہ پروفیسر مارس وغیرہ
نے لکھا ہے یہ باتیں صاف بتا رہی ہیں کہ دنیا میں علم و کمال و اخلاق کی
روشنی صرف اسلام کی پھیلائی ہوئی ہے سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں
کہ مذہب اسلام کو یہ بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک
ایسا درجہ موجود ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے (اعجاز التنزیل
بحوالہ لائف آف محمد) مسٹر جیمز لکھتے ہیں کہ مذہب اسلام کا وہ حصہ جس
سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے ہدایت کامل
اور غایت درجہ کا ماثر ہے اس سے ہماری مراد اس کی اخلاقی نصیحتیں
ہیں یہ نصیحتیں کسی ایک یا دو یا تین سورتوں میں مجتمع نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان
عمارت قرآن میں سلسلۃ الذہب کی مانند ملی جلی ہیں مثلاً العاقی جھوٹ
غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ فضول خرچی۔ حرام کاری۔ خیانت۔
بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اور انکو قبیح اور بے دینی بتایا گیا ہے
اور بمقابلہ اس کے خیر اندیشی۔ فیض رسانی۔ پاکدامنی۔ حیا۔ بردباری۔ صبر۔
تحمل۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ عالی ہمتی۔ صلح پسندی۔

حق رسی۔ اور سب پر بالاتر توکل بر خدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی
ایمانداری کی اصل بنیاد اور مومن صادق کا اصلی شان قرار دیا ہے
(اعجاز التنزیل بحوالہ انسائیکلوپیڈیا) اور اس طرح مسٹر ہیگنس اور مسٹر
ٹیلر وغیرہ کی تحریریں ملاحظہ فرمائیے

(احکام و قوانین قرآن)

جیسا کہ میں نے ابھی تحریر کیا ہے کہ انسان کے ہر شعبہ زندگی اور حرکت و سکونت کیلئے
جو جزئی و کلی اصول و قوانین قرآن مجید نے تعلیم کئے ہیں اس کی جامعیت و کمال
کا باخبر دنیا کو انکار نہیں ہے اور یہ قرآن مجید کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے کہ
اس میں صرف پانسو آیتیں ہیں جو احکام سے متعلق ہیں اور انہیں پانسو آیتوں
میں قدرت نے نوع انسانی سے متعلق جملہ احکام کو سمیٹ کر بند کر دیا ہے
جنکی شرح میں علماء نے ہزاروں کتابیں لکھ دی ہیں اور کتب خانے بھر دیے
ہیں پھر یہ کہ تا قیامت نوع انسان کو پیش آنے والی کوئی ایسی ضرورت
نہیں ہے جس کے لئے اسلام نے مکمل قانون نہ بنا دیا ہو جو کام لاکھوں
انسانوں سے لاکھوں برس میں ممکن نہ ہوا ملک کے جاہل اور وحشی
لوگوں میں پیدا ہونے والے ایک یتیم بچے نے پیش کر دیا اور پھر یہ کہ
ایسا قانون پیش کیا جس میں تا قیامت کسی ترمیم و تغیر کی ضرورت پیش نہ آئے
اور وہ دنیا میں کامیاب بھی ہوا اور آج بھی مخالفین قرآن جب ٹھوکریں
کھاتے ہیں اور راہ زندگی ان کو تنگ نظر آتی ہے تو انہیں قوانین قرآنی

پر عمل کرکے نجات حاصل کرتے ہیں۔ لیکن آج جو بلائیں ہمارے سروں پر آئی
ہوئی ہیں یہ ہمارے قرآن کو چھوڑ بیٹھنے کا نتیجہ ہے مثال کے طور پر چوری
ایک چور کا ہاتھ کاٹنے کے قانون پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ چوری کے
سدباب کیلئے اس سے بہتر کوئی علاج ممکن نہیں ہے۔ اس قانون کو چھوڑ
کر جن لوگوں نے چوروں کیلئے قید وتازیانے کی سزا تجویز کی ہے وہ اسکا
نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ چوری ایک مستقل پیشہ بن گئی ہے ہزاروں لاکھوں
انسان اسی کاروبار میں شب وروز مشغول ہیں اور طریقہ یہ ہے کہ چور جبتک
جیل کا منہ نہیں دیکھتا اسوقت تک تو کچھ ڈرتا بھی ہے لیکن ایک مرتبہ
جیل کی ہوا کھانے کے بعد وہ سند یافتہ چور ہوجاتا ہے وہ جیل کو سسرال
کی طرح یاد کرتا ہے اور اسکی ساری عمر کبھی چوری اور کبھی جیل
میں گذر جاتی ہے وہ جیل سے چھوٹتے ہی پھر فوراً چوری کرتا ہے اور
اسکے ماتھے پر کوئی نشان بھی نہیں ہوتا جس سے کوئی پہچان سکے کہ وہ
چور ہے لیکن اگر اسکا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو ۱ وہ چوری کرنے سے
معذور ہوجاتا ۲ لوگ اسکو دیکھ کر پہچان بھی لیتے اور مال کی
حفاظت کرلیتے ۳ اسکو دیکھنے والے چوری کی جرأت ہی نہ کرتے۔ اسی
طرح متعدد بیویاں اور عورتوں کے پردہ وغیرہ کے قوانین چھوڑ دینے کا جو
نتیجہ ہے دنیا پر روشن ہے غرض یہ کہ عبادات ومعاملات کے علاوہ تجارت وزراعت
قرض مدین - احتکار اور ناپ تول سود اور رشوت غصب . کورٹ آف وارڈس

ضمانت وصلح شرکت ومضاربت - ابتیاع وودیعت - عاریت - اجارہ ووکالت
وقف ووصیت - اقرار وقسم - شفعہ ولقطہ - نفقہ ومیراث - نکاح وطلاق
خلع وظہار - ایلا ولعان - نذر وعہد صید وذبیحہ - قضا وشہادت حدود
وتعزیرات - قصاص - سیاست واخلاق وغیرہ میں جیسے مکمل اور پاکیزہ قوانین
قرآن نے تعلیم کئے ہیں اسکی مثال دنیا میں نہیں ہے مسٹر ارکھاٹ صاحب
لکھتے ہیں کہ اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ
ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف وفضیلت کو قیامت
تک کیلئے کافی ہے اور ان سب اصولوں کے مجموعہ سے ایک ایسا نظام
سیاست قائم ہوگیا ہے جسکی قوت ومتانت کے سامنے دوسرے سب انتظامات
سیاست سب ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی چھین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک
جاہل ووحشی تنگ خیال وکم ظرف قوم عرب سے قالب میں تھا وہ شرع ان
ممالک میں رائج ہوگئی جو سلطنت قاہرہ روم کیہرے کہیں عظیم ووسیع
تھی جب تک اس شرع میں اسکی اصلی کیفیت باقی رہی اسوقت
تک کوئی چیز اسکا مقابلہ نہ کرسکی (اعجاز التنزیل بحوالہ سینٹ جیمس
گزٹ لندن ۱۸۸۰ء)

(قرآن علم کا دشمن نہیں)

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون
پارہ ۲۳ سورہ زمر) یعنی اے رسول پوچھو تو کہ بھلا جاننے والے اور نہ
جاننے والے لوگ برابر ہوسکتے ہیں۔ اور پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ میں فرماتا ہے

کہ یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا العلم درجات یعنی جو لوگ تم میں سے ایمان
لائے اور جن لوگوں کو علم عطا ہوا خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔ میں اس مسئلہ میں
ثبوت کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ دنیا میں طب و فلسفہ و تاریخ و دیگر علوم و فنون
جو مردہ ہو چکے تھے اور تہذیب و اخلاق و شائستگی سب کچھ قرآن مجید نے دنیا
میں رائج کیا ہے یہاں تک کہ دنیا کی موجودہ ترقیوں کی بنیاد قرآن پر قائم ہے
جیسا کہ دوش صاحب نے لکھا ہے کہ یہی لوگ عرب جبکہ تاریکی چھا رہی تھی یونان
کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ طب
ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم جدیدہ کی
بنیاد ڈالنے اور ہم لوگوں کو غرناطہ کی تباہی کے دن ہمیشہ کیلئے رلانے
آئے تھے (اعجاز التنزیل بحوالہ کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲۷ ص ۲۰۵ لندن ۱۸۶۹ء)
مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ ہر طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی
ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو
قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے مابین بطور ایک سلسلہ کے بیان
کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے معمور اہل بربر تھے
پھر لکھتے ہیں کہ یورپ میں جہالت اور وحشت پھیلی ہوئی تھی اور علم ادب تقریباً
نیست و نابود ہو گیا تھا علاوہ اس کے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہئے کہ تمام علوم طبعیات
ہیئت، فلسفہ، ریاضی جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداء عرب کے
علماء سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ

کے موجد خیال کئے جاتے ہیں (اعجاز التنزیل بحوالہ کتاب زیارالوجی قادری محمد
معہ و سند قرآن) اسی طرح مسٹر جیمبر ڈیڈ کے بیانات ملاحظہ ہوں۔ ان
بیانات و شواہد کے بعد جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن علم کا دشمن ہے وہ خود
دشمن عقل و ہوش ہیں۔ خداوند عالم قرآن مجید کے متعلق فرماتا ہے کہ
ما فرطنا فی الکتاب من شیء (پارہ ۷ سورہ انعام) یعنی ہم نے قرآن میں
کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اور سورہ نحل میں فرماتا ہے کہ ونزلنا علیک
الکتاب تبیاناً لکل شیء یعنی ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر چیز
کا بیان موجود ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کلام پروردگار ہے قرآن حیات
جاوید ہے قرآن نور ہے قرآن شفا ہے قرآن بہترین دوست تنہائی کا
مونس برے وقت کا مددگار قبر کا چراغ حشر کا شفیع اور جنت کا رفیق
ہے۔ مسلمانو خود مٹ جاؤ لیکن جیتے جی قرآن کو نہ چھوڑنا۔ دنیا چند
روزہ ہے ایک دن سب کو مرنا ہے اور روزی خدا کے ہاتھ میں ہے
دیکھو چند دنوں کی زندگی کیلئے آخرت کی زندگی کو قربان نہ کرنا۔ آج ساری دنیا
ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑی ہے۔ روس مسلمانوں کو ملحد بنانا
چاہتا ہے تو عیسائی ہم کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ ہندو ہم کو شدھی بنانا چاہتے
ہیں [redacted] نوکری دولت سب ان کے ہاتھ
ہے ہندی رائج کی جا رہی ہے اسکولوں میں ہندوپن کا عنصر ہوتی
ہے جو اعارہ ہے تاکہ اسلام مٹ جائے قرآن کا کوئی پڑھنے والا

غرضیکہ مسلمانوں تم خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو تاکہ دھوکہ نہ کھاؤ اپنے
بچوں کو قرآن کی تعلیم دو۔ نماز و روزہ کا پابند بناؤ اور خمس و زکوۃ
نکالو تاکہ بھوکے لوگ کافر نہ ہو جائیں دوستداران آل محمد خصوصیت کے
ساتھ بیدار ہو جائیں کہ اب دنیا کی عمر آخر ہو چکی ہے۔ یہ قرآن مجید کا
دعویٰ ہے جس کو ہر شخص پڑھ لے اور یاد رکھے ارشاد پروردگار ہے کہ
من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مومن فلنحیینه حیوة طیبة ولنجزینهم
اجرهم باحسن ما کانوا یعملون ۵ یعنی جو شخص بھی نیک کام کرے مرد ہو
یا عورت درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم دنیا میں بھی اسکی زندگی اچھی
طرح بسر کرائینگے اور پھر قیامت میں ان کے عمل کا اچھا بدلہ عطا کرینگے
اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے احکام
پر عمل کرنے والا نہ دنیا میں برباد و پریشان رہ سکتا ہے نہ اسکی
آخرت برباد ہو سکتی ہے وما علینا الا البلاغ - حقیر سید علی الرضوی گوپال پوری قمی
اترولہ ضلع گونڈہ

~~دفتر دارالاشاعت اترولہ ضلع گونڈہ کی مدد قبول فرما کر دین پروردگار~~
~~کی نصرت فرمائیے خدا نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا~~

فہرست رسائل دارالاشاعت اترولہ

۱- تجلیات المخارق بابت جنت وجہنم ہدیہ ۵ر
۲- " " " وجود خدا " ۳ر
۳- " " " حقیقت وضو " ۵ر
۴- " " " علامات ظہور حضرت حجت ع " ۱۰ر
۵- فرمان صادق ع مترجم ہدیہ ۲ر
۶- سبط الدین " ۸ر
۷- مناہج الحزان " ۳ر

فہرست دانۂ دیندار ہوگا -

ملنے کا پتہ
سید نجم الحسن صاحب رضوی سکریٹری دارالاشاعت اترولہ ضلع گونڈہ